دل کی راہوں میں

سمیعہ عبید

ناول

سمیعہ عبید

دل کی راہوں میں

اس نے ڈور بیل بجانے کے لیے ہاتھ اُٹھایا مگر پھر کچھ سوچ کر بیگ میں سے چابی نکال لی۔ آج وہ یونیورسٹی سے جلدی آ گئی تھی، اگلے دو لیکچرز فری تھے تو اُس نے خوامخواہ بیٹھ کر گپیں مارنے سے زیادہ گھر آنے کو ترجیح دی تھی۔ گیٹ کھول کر وہ صحن عبور کرتی اندر آ گئی۔ گھر مکمل خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دوپہر کا ایک بج رہا تھا یقیناً اس وقت امی اور چچی دونوں سو رہی تھیں۔ یہ اُن دونوں کی روٹین میں شامل تھا کہ بارہ، ساڑھے بارہ تک سارے کام ختم کر کے وہ سو جایا کرتی تھیں اور پھر ڈھائی تین بجے اُٹھتی تھیں جب سب کے گھر آنے کا وقت ہوتا اور پھر اُس کے بعد دونوں ہی رات گئے تک کاموں میں لگی رہتی تھیں۔

''ہیلو کزن......'' وہ ابھی کمرے میں جانے ہی لگی تھی کہ اس آواز پر ڈر کے اُچھل ہی تو پڑی تھی۔

''تم......تم کب آئے اور یہ کیا بدتمیزی تھی۔ اس طرح ڈرایا کیوں مجھے۔'' وہ اسے سامنے کھڑا دیکھ کر پہلے تو حیران ہوئی لیکن اگلے ہی لمحے اس کی حرکت یاد آنے پر غصے سے بولی۔

''آئم سوری۔ میرا ارادہ ڈرانے کا ہرگز نہیں تھا میں نے تو بس تم کو جاتا دیکھ کر یونہی آواز دے دی تھی۔'' وہ اس کے یوں ڈرنے پر خود بھی شرمندہ سا ہو گیا تھا۔

"اچھا چلو کوئی بات نہیں۔ تم یہ بتاؤ آئے کب ہو؟" اس کا غصہ بھی فوراً ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

"بس ابھی کوئی آدھا پونا گھنٹہ پہلے ہی آیا ہوں۔" وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ وہ بھی دوسرے صوفے پر جا بیٹھی۔

"اچھا...... پر پھر تم اندر کیسے آئے؟ امی اور چچی تو سو رہی ہوں گی نا اُس وقت۔۔۔" اسے ایکدم ہی خیال آیا کہ اس وقت دو بجنے والے تھے تو اگر وہ آدھے پونے گھنٹے پہلے آیا تھا تو تب بھی وہ سو رہی ہوں گی۔ اگر وہ اُن کے جاگتے میں آیا ہوتا تو وہ دونوں اس وقت لازماً جاگ رہی ہوتیں۔

"پچھلی بار آیا تھا تو تائی امی نے جاتے ہوئے چابی دے دی تھی۔ یاد ہے نا پچھلی بار بنا بتائے آ گیا تھا جلد اور آگے گھر لاکڈ ملا اور آپ سب مزے سے ہبہ باجی کے گھر بیٹھے تھے اور میں بیچارہ یہاں آدھا گھنٹہ دھوپ میں انتظار کرتا رہا، نہ موبائیل میں بیلنس، نہ آپ سب کی کچھ خبر۔ وہ تو شکر ہے تایا جی جلدی آ گئے ورنہ میں تو پتہ نہیں اُس روز کب تک کڑکتی چمکتی دھوپ میں فرائی ہوتا رہتا۔" اُسے وہ دن یاد کر کے ہی جُھرجُھری آ گئی۔ اُس دن گرمی واقعی بہت زیادہ تھی۔

"ہاں اور ابو جی سے ہمیں ڈانٹ پڑ گئی تھی جبکہ ہمارے تو فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ تم اس روز آ ؤ گے۔" وہ ابو جی کی ڈانٹ یاد کر کے بولی تو وہ ہنس پڑا۔

"تم نے کچھ کھایا؟" اسے خیال آیا کہ اس نے آ کر کچھ کھایا بھی ہے یا بھوکا بیٹھا ہے۔

"ہاں ایک عدد سیب پر صبر شکر کر کے بیٹھا ہوا ہوں اور دونوں خاتونِ خانہ کے جاگنے کے انتظار میں ہوں۔" وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا تو اسے ہنسی آ گئی۔

"تو خود کچھ بنا کر کھا لیتے نا...... جب تک ان دونوں کے اُٹھنے کا ٹائم نہ ہوتا تم کیا انتظار ہی کرتے رہتے، دو سال اکیلے رہ کر بھی کوکنگ نہیں آئی تمہیں؟" اس کی بات پر مسکراتے ہوئے اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں...... تمہارے خیال سے کزن میں وہاں پڑھتا ہوں یا کوکنگ سیکھتا ہوں؟" وہ منہ بنا کر بولا۔

"سیکھتے نہیں ہو لیکن میں نے سُنا ہے کہ اکیلے رہتے رہتے بندہ سیکھ ہی جاتا ہے۔" وہ کندھے اُچکا کر بولی۔

"ہاں مگر تب جب وہ سیکھنا چاہے بھی۔ جبکہ مجھے ایسا کوئی شوق نہیں ہے۔" وہ صوفے پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

''اچھا اب سو مت جانا، میں کچھ بناتی ہوں۔'' وہ اسے لیٹتا دیکھ کر بولی۔

''تم ابھی آئی ہو، آرام کرو۔ کچھ دیر کی ہی بات ہے۔'' وہ کشن سر کے نیچے رکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں میں نے خود بھی آج لنچ نہیں کیا، مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔ میں بس بیگ کمرے میں رکھ کر آتی ہوں تب تک تم سوچ کر رکھو کہ کیا کھانا ہے تم نے۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولی تو وہ بھی سر ہلاتا اُٹھ بیٹھا۔

''چلو میں آتی ہوں بس پندرہ منٹ میں۔'' وہ کہہ کر کمرے میں آ گئی۔ بیگ رکھ کر الماری سے کپڑے نکال کر اس نے باتھ روم کا رُخ کیا۔ پندرہ منٹ بعد فریش ہو کر نکلی، گیلے بالوں کو جلدی سے کیچر میں قید کر کے جب وہ کچن میں آئی تو وہ وہیں کرسی پر بیٹھا پانی پی رہا تھا۔

''پھر کیا سوچا تم نے۔ کیا کھانا ہے؟'' اس نے اپنے لیے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''میں ابھی فریج کا جائزہ لے کر بیٹھا ہوں۔ کباب رکھے نظر آئے ہیں، چیز اور ٹماٹر کے ساتھ اگر زبردست سے سینڈوچ مل جائیں تو کیا بات ہے......'' وہ اس کے آنے سے پہلے فریج کا تفصیلی جائزہ لے چکا تھا۔

''ارے واہ۔۔۔ لگتا ہے آج ہی بنا کر رکھے گئے ہیں کیونکہ کل تک تو نہیں تھے۔'' وہ بھی خوش ہو گئی۔

پھر اس نے اُٹھ کر جلدی سے چار کباب نکالے، فرائی پین میں آئل ڈال کر چولہے پر رکھا۔ جتنی دیر میں آئل گرم ہوا وہ فریج سے ٹماٹر، چیز اور دو انڈے نکال لائی۔ پیالی لے کر ایک انڈہ توڑ کر پھینٹا اور ایک ایک کر کے چاروں کباب اس میں ڈپ کر کے فرائی پین میں ڈال دیے۔ اُنہیں ایک دو بار پلٹ کر اس نے آنچ دھیمی کر دی اور ٹماٹر کاٹنے لگی۔ وہ جو اتنی دیر سے بیٹھا چپ چاپ ساری کاروائی دیکھ رہا تھا اُٹھ کر اس کے پاس آ گیا اور خاموشی سے چیز کا پیکٹ اُٹھا کر اس میں سے دو سلائیس نکالے اور ان کا کور اُتارنے لگا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور دوبارہ ٹماٹر کاٹنے لگی۔ چیز کے دونوں سلائیس اس نے کٹے ہوئے ٹماٹروں کے ساتھ پلیٹ میں رکھ دیے پھر جا کر فریج میں سے ڈبل روٹی نکال لایا جبکہ وہ ٹماٹر کاٹ لینے کے بعد اب کباب دیکھ رہی تھی۔

''زائنہ پلیز ایک پلیٹ دینا وہاں سے۔۔۔'' وہ چونکہ برتنوں کے ریک کے نزدیک کھڑی تھی تو وہ اس سے بولا۔ اس نے کباب پلٹنے کے بعد ریک سے پلیٹ اُتار کر اسے پکڑائی تو وہ ڈبل روٹی نکال کر اس میں رکھنے لگا۔

''تم کتنے سینڈوچ کھاؤ گی؟'' اس نے ڈبل روٹی کے سلائیس نکالتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”ایک۔۔“ اس کے کہنے پہ اس نے پلیٹ میں چھ سلائیس نکال کر رکھے اور پھر چیز کا پیکٹ اور ڈبل روٹی فریج میں رکھ آیا۔ واپس آیا تو وہ کباب پلیٹ میں نکال چکی تھی۔ پھر اس نے کٹنگ بورڈ اُتارا اور ایک ایک کر کے ڈبل روٹی کے کنارے چُھری کی مدد سے الگ کر دیے جبکہ وہ اُن پر ٹماٹر کے گول کٹے ٹکڑے رکھنے لگا۔ اس نے اس کام سے فارغ ہو کر ٹماٹروں کے اُوپر کباب رکھا پھر دونوں پر اگلا سلائیس رکھا، اس کے بعد اس نے انڈے میں تھوڑا سا چاٹ مصالحہ ڈال کر فرائی کیا اور اسے ایک سینڈوچ پہ رکھ دیا پھر اسی طرح اس نے دوسرا انڈہ توڑ کر فرائی کیا اور دوسرے سینڈوچ پہ رکھ دیا، پھر دونوں پر ایک ایک کباب اور ایک ایک چیز کا سلائیس رکھ کر ڈبل روٹی کے باقی دو پیس رکھ کر دونوں کو چھری کی مدد سے تکون شکل میں درمیان سے کاٹ کر دو دو حصّوں میں کر دیا، پھر جا کر پلیٹ اوون میں رکھ دی اور دو منٹ بعد جب نکالی تو چیز پگھل چکی تھی۔ اس نے دو پلیٹیں لی، ایک پلیٹ میں اپنے لیے ایک سینڈوچ رکھا اور دوسری میں اس کے لیے تین سینڈوچ رکھ کر کچن میں ہی ٹیبل پر رکھ دیے اتنی دیر میں وہ فریج سے کوک اور کیچپ نکال لایا اور اس نے دو گلاس لا کر ٹیبل پر رکھ دیے اور پھر خود بھی اس کے سامنے والی کُرسی کھسکا کر بیٹھ گئی۔

”زائنہ یہ کیچپ دینا پلیز۔۔۔“ اس نے کیچپ کی جانب اشارہ کیا۔

”ویسے ایک بات ہے……“ وہ اسے کیچپ کی بوتل پکڑاتے ہوئے بولی۔ پھر نظر اُٹھائی تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں کچھ پکانا تو نہیں آیا سو نہیں آیا ساتھ ساتھ تمیز بھی بالکل نہیں آئی۔“ اس کی بات پر وہ حیران ہوا، بھلا اس نے کیا بدتمیزی کی تھی!!

”ہاں تو سہی کہہ رہی ہوں نا……اتنی حیرانی سے کیوں دیکھ رہے ہو۔“ اس کے یوں حیرانی سے دیکھنے پر کہا، پھر بولی۔

”تم سے بڑی ہوں مگر تمہاری بدتمیزی وہیں کی وہیں ہے کہ آپی، باجی کہنے کا کوئی تکلف نہیں کرنا۔“ وہ جو اس کی پہلی بات پر حیران ہو رہا تھا اگلی بات پر ہنس پڑا تو اس نے ذرا غصّے سے اسے دیکھا۔

”ہاں تو کیوں کروں ایسا تکلف……اتنی بھی بڑی نہیں ہو کہ آپی یا باجی کہوں تمہیں۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا تو

اسے مزید غصہ آیا۔ وہ بچپن سے ہی اس بات پر چڑتی تھی کہ وہ ہبہ کو تو باجی کہتا تھا پر اس کے ہزار ہا کہنے پر بھی اس نے زائنہ کو باجی نہیں کہا تھا، اسے کتنا شوق تھا کہ وہ ہبہ کی طرح اسے بھی باجی کہے مگر اس نے تو جیسے یہ چڑ ہی بنالی تھی کہ اسے کبھی باجی نہیں کہنا اور وہ واقعی آج تک اس بات سے چڑتی تھی مگر اس پہ اب بھی اثر نہ ہوتا اور کہنے سے وہ بھی باز نہ آتی۔

”پورے چار سال بڑی ہوں تم سے۔۔۔ ہبہ باجی تین سال بڑی ہیں مجھ سے اور میں اُنہیں باجی کہتی ہوں جبکہ تم سے میں چار سال بڑی ہوں پر تم میں تمیز نام کو نہیں۔“ اس نے کئی بار کہی بات ایک بار پھر دوہرائی۔

”ہاں تو نہ کہو باجی اُنہیں...... میں نے تھوڑا ہی یہ پابندی عائد کی ہے تم پہ۔“ اس نے بھی اپنا وہی جواب دوہرایا جو ہر بار اس بات پر دیتا تھا جبکہ اس کے جواب پر زائنہ کلس کر رہ گئی۔

”اور لوگی سینڈوچ؟“ اس نے اپنے سینڈوچ کا آخری بائٹ منہ میں ڈالا تو اس نے اپنی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”بہت شکریہ۔“ اس کا منہ پھول چکا تھا، غصے سے کہتی اپنی جگہ سے اُٹھی۔ پلیٹ دھو کر ریک میں رکھی اور وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔

”یہ بڑی ہیں یہ محترمہ۔ جبکہ منہ اب تک بچوں کی طرح پھول جاتا ہے۔“ وہ مُسکرا کر بڑبڑاتا دوبارہ پلیٹ پر جھک گیا۔

☆......☆......☆

”ارے ادیان۔۔۔ تم کب آئے؟“ وہ جو سینڈوچ تناول فرمانے کے بعد ڈرائنگ روم میں ٹی-وی دیکھتے دیکھتے اُونگ رہا تھا اس آواز پہ چونک کر اس طرف دیکھا جہاں ربیعہ بیگم کھڑی بے طرح حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں کہ ایک تو اس کی غیر متوقع آمد اور وہ بھی یوں کہ خبر بھی نہیں۔

”ارے تائی ماں۔ السلام علیکم، کیسی ہیں آپ؟“ وہ مُسکراتا ہوا اُٹھا اور سلام کرتا اُن کے آگے ذرا سا جُھکا تو اُنہوں نے بھی شفقت سے اس کا سر سہلایا۔

”وعلیکم السلام۔ جیتے رہو، سدا خوش رہو۔“ اُنہوں نے دعاؤں سے نوازا۔

پھر بولیں" یہ تو بتاؤ کب آئے، کیسے آئے؟ اُٹھایا کیوں نہیں مجھے؟ تمہاری ماں کو خبر ہے یا اس کو بھی نہیں پتہ؟" ان کے ایک ساتھ اتنے سوالوں پر وہ ہنس پڑا۔

"ارے آرام آرام سے سوال کریں تائی ماں۔ میں یہیں ہوں، آج ہی کی فلائٹ سے واپس نہیں جا رہا۔" اس نے انہیں تھام کر صوفے پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گیا۔

"شریر......" وہ اس کی کمر پہ دھپ لگاتے خود بھی ہنس دیں۔

"میرا پروجیکٹ کا کام بس جلدی ختم ہو گیا تو وہ سب submit کروا کے جلدی آ گیا، گھر ڈیڑھ کو بجے پہنچا تھا، آپ کی دی ہوئی چابی کام آ گئی میرے پھر تھوڑی دیر بعد زائنہ آ گئی یونیورسٹی سے، اس نے ہی پھر سینڈوچ بنا کر دیے۔" اس نے اب انہیں تفصیلاً بتایا۔

"زائنہ اتنی جلدی کیسے آ گئی آج؟" وہ حیران ہوئیں۔

"معلوم نہیں، میں نے تو نہیں پوچھا۔ مجھے لگا اسی ٹائم آتی ہو گی۔" اس نے کندھے اُچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

"نہیں۔ روز تو پانچ بجے تک آتی ہے، خیر اب بتاؤ کیا بناؤں تمہارے لیے؟ کیا کھاؤ گے؟" انہوں نے پیار سے پوچھا۔

"ابھی تو کچھ نہیں کھاؤں گا مگر ڈنر میں آپ آج مٹر پلاؤ بنائیے گا، ساتھ مزیدار سا رائتہ اور کباب......" اس نے اپنا من پسند کھانا بتایا تو ربیعہ بیگم مسکرا دیں، جانتی تھیں اسے مٹر پلاؤ۔ رائتے اور کباب کے ساتھ کتنا پسند ہے۔

"میں تو ابھی کا پوچھ رہی تھی، رات کے کھانے میں تو بنانا ہی تھا۔"

"ابھی تو کچھ بھی نہیں تائی ماں، تین تین سینڈوچز کھا کر بیٹھا ہوں، بالکل گنجائش نہیں ہے ابھی۔"

"ایک تو تم آج کل کے بچے نا...... بس اس ڈبل روٹی کے دو پیس کھا کر تم لوگوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں۔ لڑکیاں تو لڑکیاں تم آج کل کے لڑکوں کو بھی پتلا دبلا نظر آنے کا جانے کیا خبط ہو گیا ہوا ہے۔" وہ ذرا ناراضگی جتا کر بولیں تو بے ساختہ ہنس دیا۔

"ارے تائی ماں مجھے ایسا کوئی خبط نہیں ہے، مجھے معلوم ہے کہ میں موٹا ہو کر بھی اتنا ہی پیارا اور ہینڈسم دِکھوں گا جتنا اب دِکھتا ہوں۔" وہ شرارت سے بولا۔

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے۔" وہ فوراً بڑے لاڈ سے بولیں تو اسے پھر ہنسی آ گئی۔

وہ یونہی بیٹھا تائی ماں سے باتیں کر رہا تھا جب عظمیٰ بیگم بھی آ گئیں، ان کا ردِعمل بھی کم و بیش ربیعہ بیگم جیسا ہی تھا پر ان کے انداز میں ادیان نے تھوڑی بے چینی محسوس کی تھی۔ جیسے اسے دیکھ کر وہ بے چین ہو گئی ہوں مگر وہ جلد ہی اس احساس کو اپنا وہم سمجھ کر ٹال گیا۔ کچھ ہی دیر میں ذیشان اور عاصم بھی سکول و کالج سے آ گئے تھے۔ عاصم سیکنڈ ایئر جبکہ ذیشان میٹرک کا سٹوڈنٹ تھا۔ ادیان کو دیکھ کر وہ دونوں ہی کِھل اُٹھے تھے پھر سارا دن اسی کے سر ہوئے رہے۔ رات تک ناصر صاحب بھی آ گئے تھے، بھتیجے کو دیکھ کر وہ بھی خوش ہو گئے۔

☆......☆......☆

اگلے روز وہ صبح دیر سے سو کر اُٹھا تھا۔ ایک تو سفر کی کچھ تھکان بھی تھی اور پھر رات سب باتوں میں لگے تو وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ تین بج رہے تھے جب وہ کمرے میں آیا تھا، سوتے سوتے ساڑھے تین، پونے چار ہو گئے تھے اور اب تقریباً ساڑھے بارہ بجے جب وہ نہا کر بالوں کو ہاتھ سے جھٹکتے باہر آیا تو گھر پہ خاموشی کا راج تھا۔ یقیناً سب اپنے اپنے کام سے چلے گئے تھے، بس کچن سے ہلکی ہلکی باتوں کی آواز آ رہی تھی، جس کا مطلب تھا امی اور تائی ماں وہیں تھیں۔ وہ بھی وہیں آ گیا۔

"السلام علیکم۔" ربیعہ بیگم ہنڈیا بنا رہی تھیں جبکہ عظمیٰ بیگم پاس ہی کھڑی چاول چُن رہی تھیں، ساتھ ساتھ دونوں باتیں بھی کر رہی تھیں۔ وہ بھی وہیں چیئر کھسکا کے بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام۔ ہو گئی نیند پوری تمہاری۔" اس کے سلام کرنے پہ دونوں ہی خواتین اس کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔ اب عظمیٰ بیگم کہہ رہی تھیں۔

"ہاں جی بس تھکن تھی تو دیر تک سوتا رہا۔" اس نے اتنی دیر تک سونے کی وجہ بتائی۔

"ہاں تو بیٹا تھکاوٹ ہونی ہی تھی...... عظمیٰ تم خوامخواہ بچے کو پریشان نہ کرو۔ بیٹا تم بتاؤ ناشتہ کیا کرو گے؟" ربیعہ بیگم فوراً اس کی حمایت میں بولیں پھر ناشتے کا پوچھنے لگیں۔

"بس جوس دے دیں، اس کے بعد اب دوپہر کا کھانا ہی کھاؤں گا سب کے ساتھ، ابھی کچھ کھا لیا تو کھانا

نہیں کھا سکوں گا۔" اس کے کہنے پر ربیعہ بیگم اثبات میں سر ہلاتی کریج کی طرف بڑھ گئیں۔ جوس نکالا، گلاس لے کر دونوں چیزیں ٹرے میں رکھیں پھر ایک کیبنٹ کھول کر اس میں سے ایک جار نکالا اور پلیٹ لے کر جار میں سے تھوڑے سے کیک رس نکال کر اس میں رکھے، جوس اور گلاس کے ساتھ پلیٹ ٹرے میں رکھی اور پھر اس کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولیں۔

"یہ کھا لو تھوڑے سے...... کھانے میں ابھی ٹائم ہے اتنی دیر بھوکے نہیں رہنا شاباش۔" ان کے کہنے پر وہ سر اثبات میں ہلا کر جوس کیساتھ کیک رس کھانے لگا ساتھ ساتھ ان کی باتوں میں بھی شریک تھا۔ امی کا رویہ اسے آج بھی کچھ الگ ہی لگا، وہ نہ تو اس سے زیادہ بات کر رہی تھیں نہ زیادہ اسکی طرف دیکھ رہی تھیں اور پھر سارا دن یہی ہوتا رہا، اسے لگ رہا تھا وہ بلا سبب خود کو مصروف ظاہر کر رہی ہیں حالانکہ پہلے جب بھی وہ چھٹیوں میں گھر آتا تھا وہ ہزار مصروفیت کے باوجود بھی اس کے لیے وقت نکال لیتی تھیں، سب سو جاتے تو وہ اکیلی اس سے ہزاروں باتیں کرتی تھیں۔ نصیحتیں کرتیں، اپنا خیال نہ رکھنے پہ ڈانٹتیں، اس کی فرمائشیں سنتیں مگر اس بار وہ کام نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو کاموں میں اُلجھا رہی تھیں اور آج وہ اس بات کو نظر انداز نہ کر سکا تھا لیکن عاصم اور ذیشان کی فرمائشوں میں پھنس کر اسے ان سے بات کرنے کا وقت ہی نہ ملا تو وہ بعد میں ان سے پوچھنے کا ارادہ کرتے ہوئے ان دونوں کو لے کر چلا گیا اور رات کو جب تک ان کی واپسی ہوئی وہ سو چکی تھیں۔ اگلے دن اتوار تھا جس وجہ سے عاصم اور ذیشان دیر رات تک اس کے ساتھ بنا کسی کی ڈانٹ کے ڈر سے اس کے ساتھ باہر گھومے پھرے تھے اور اسی وجہ سے وہ دونوں زائنہ باجی کو بھی ساتھ لے کر نہیں گئے تھے کہ وہ واپسی کے لیے جلدی کریں گی۔ اس طرح وہ اس روز بھی عظمیٰ بیگم سے بات نہ کر سکا۔

☆......☆......☆

"میں آج ہبہ باجی کی طرف جاؤں گا، اتوار ہے تو یقیناً وسیم بھائی بھی گھر ہوں گے۔ اُن سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔" چونکہ اتوار تھا اور چھٹی والے دن ناشتہ آرام سے نو، ساڑھے نو تک ہوتا تھا ورنہ عام روٹین میں سب صبح سات، سوا سات تک ناشتہ کر لیتے تھے۔ اب بھی سب بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے جب ادیان بولا۔ سبھی نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

”ہاں یہی ہے۔اس سے بھی مل آؤ ورنہ بعد میں اچھی خاصی کلاس لے لے گی تمہاری۔“ تایا جی مذاق سے بولے تو اس نے بھی ہنستے ہوئے سرہاں میں ہلا دیا اور یہ تو وہ خود بھی جانتا تھا کہ اگر وہ نہ گیا تو وہ کتنا ناراض ہوں گی کہ وہ ملنے تک نہیں آیا پھر یہ تو اس کا ہر بار کا معمول تھا کہ جب بھی آتا، آنے کے دوسرے تیسرے دن ہی ان سے ملنے جاتا کبھی وہ خود آجاتیں۔

”ہبہ کو کہنا اب دو تین دن تک آجائے رہنے......کیوں عظمیٰ؟“ ان کے کہنے پر اس نے تو سر اثبات میں ہلا دیا جبکہ وہ امّی سے پوچھ رہی تھیں۔

”جی بھابھی......“ اسے لگا جیسے امّی نے یہ دو الفاظ بمشکل ادا کیے ہیں، اس نے حیرانگی سے اُنہیں دیکھا۔ ٹھیک اُسی وقت اُنہوں نے بھی اس کی طرف دیکھا تھا اور اسے بھی اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ فوراً نظریں چُرا گئیں، وہ اُلجھ کر رہ گیا۔

ناشتے سے فارغ ہوئے تو عاصم لڈو نکال لایا اور اسے بھی ساتھ گھسیٹ لیا۔ وہ تین تھے ایک پلیئر کم تھا، ناصر صاحب سے پوچھا تو اُنہوں نے کسی کام کا کہہ کر منع کر دیا اس کے بعد پندرہ منٹ کی مسلسل منتوں کے بعد وہ زائنہ کو کھیلنے پر راضی کرنے میں کامیاب ہو سکے تھے اور اب وہ چاروں خوب شور شرابے کے ساتھ لڈو کھیل رہے تھے۔ عظمیٰ بیگم نے کچن سے بیٹے کو ہنستا دیکھا تو دل ہی دل میں خُدا سے اس کے لیے عمر بھر کے لیے بھرپور ہنسی مانگی تھی اور پھر آنکھوں میں نمی لیے دوبارہ کام میں مصروف ہو گئیں۔

☆......☆......☆

دوپہر کا ایک بج رہا تھا جب وہ ہبہ باجی کے گھر پہنچا۔ بیل بجانے کے چند لمحوں بعد ہی دروازہ کُھل گیا تھا، دروازہ کھولنے والی ہبہ باجی ہی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ پہلے تو حیران ہوئیں پھر ان کے چہرے پر خوشی تھی لیکن اگلے ہی لمحے ایک عجیب پریشان کُن سے تاثرات تھے ان کے چہرے پر جسے ادیان نے واضح طور پر محسوس کیا تھا مگر سمجھ نہیں پایا تھا۔

”السلام علیکم۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو، خوشی کا کچھ زیادہ ہی بڑا جھٹکا لگا ہے کیا مجھے دیکھ کر یا چھ، سات ماہ میں اتنا بدل گیا ہوں جو پہچان نہیں رہیں آپ؟“ وہ ہلکے پھلکے پُر مزاح انداز میں بولا تو وہ جیسے چونک کر کسی کیفیت سے

نکلی تھیں۔

''آں ہاں۔نہیں،وعلیکم السلام۔آؤ نا اندر۔'' وہ جیسے بدقت مسکرا رہی تھیں۔

''آؤ بیٹھو۔کب آئے تم؟'' وہ ان کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتیں وہ خود بھی ساتھ والے صوفے پر ٹِک گئیں۔

''پرسوں ہی آیا ہوں۔آپ سنائیں کیسی ہیں؟ وسیم بھائی کیسے ہیں اور باقی سب کیسے ہیں گھر میں؟'' اس نے ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہیں الحمدللہ۔تم۔۔تم ٹھیک ہو؟'' اسے لگا جیسے یہ سوال پوچھتے وہ اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہیں تھیں۔

''ہاں شکر ہے اللہ کا میں ایکدم فِٹ ہوں، دیکھ لیں۔بلکہ پہلے سے زیادہ ہینڈسم ہو گیا ہوں۔کیوں ہے نا؟'' وہ ہنس کر شرارت سے بولا تو انہوں نے جیسے بڑی حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔وہ ان کا اس قدر حیران ہونا سمجھا نہیں تھا۔

''ادیان تم۔۔۔۔'' وہ اسی حیرانگی سے اس سے کچھ کہنے لگی تھیں جب وسیم بھائی اندر داخل ہوئے،وہ ایکدم خاموش ہو گئیں۔

''السلام علیکم۔کیا حال ہے سالے صاحب؟'' وہ اُٹھ کر وسیم بھائی سے بغلگیر ہوا۔

''وعلیکم السلام۔میں بالکل ٹھیک ہوں،آپ کیسے ہیں وسیم بھائی؟'' اس نے جواباً ان کا حال احوال پوچھا۔

''الحمدللہ۔دعائیں ہیں آپ کی۔۔۔ارے بیٹھو نا یار۔'' اسے کہتے وہ خود بھی سامنے رکھے صوفے پر جا بیٹھے۔

''اور ینگ مین، پڑھائی کیسی جا رہی ہے تمہاری؟'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو کرنے لگے۔ وسیم بھائی کے دھیان دلانے پر وہ مہمان نوازی کا انتظام کرنے اُٹھ گئیں ورنہ ادیان کی جب بھی ان پہ نظر پڑی وہ عجیب بے چینی کا شکار نظر آئیں۔اب بھی لوازمات میز پر سجا کر وہ اسے اور وسیم بھائی کو سرو کرنے کے بعد وہ خود چائے کا کپ لے کر بیٹھی کسی ادھیڑ بن میں تھیں۔اسے محسوس ہوا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہ رہی ہوں مگر شاید وسیم بھائی کی موجودگی میں کہہ نہ پا رہی ہوں۔وہ کافی دیر وہاں بیٹھا رہا مگر اسے ہبہ باجی سے کچھ پوچھنے کا موقع ہی نہ

مل سکا۔ تقریباً ساڑھے چار وہ اجازت لے کر نکلا تھا، وسیم بھائی اور ہبہ باجی نے اسے زبردستی کھانے کے لیے روک لیا تھا اور اب واپس جاتے ہوئے اس کا ذہن ہبہ باجی کے رویے کو سوچتا بُری طرح اُلجھا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وہ کچھ دیر پہلے ہی اُٹھا تھا۔ کل ہبہ باجی کی طرف سے آنے کے کچھ دیر بعد وہ پُرانے دوستوں سے ملنے چلا گیا تو رات گئے تک اُنہی کے ساتھ رہا۔ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا، رات کے ڈھائی بجے واپسی ہوئی تھی تو اب کہیں گیارہ بجے جا کر اُٹھا تھا۔ اب نہا کر نکلا، شیشے کے آگے کھڑا اپنی عادت کے مطابق گیلے بال جھٹک رہا تھا جب اس کے کمرے کا دروازہ ایک زوردار آواز کیساتھ کھلا تھا۔ آنے والی ہبہ باجی تھیں۔

''خیر ہے ہبہ باجی۔ دہشت گردوں کی ٹیم جوائن کر لی ہے کیا جو صبح ہی صبح مجھ غریب کے کمرے میں دھماکے کر رہی ہیں؟'' گو کہ وہ ان کے اس طریقے سے آنے پہ بے حد حیران ہوا تھا مگر اب شرارت سے پوچھ رہا تھا، ہبہ باجی کے چہرے پہ غصہ نمایاں تھا۔

''کیا ہے یہ سب ادیان۔ تمہارے لیے کیا اب کوئی اہمیت ہی نہیں ہے ان سب باتوں کی؟'' وہ اس کے سامنے کھڑی سوال کر رہی تھیں جبکہ وہ ان کی بات کا مطلب۔ ان کا غصہ سمجھ نہ پا رہا تھا۔

''کیا سب؟ کس بات کی اہمیت؟ کیا کہہ رہی ہیں آپ ہبہ باجی، کہیں وسیم بھائی کے ساتھ صبح صبح لڑ کر تو نہیں آ رہیں اور شامت معصوم بھائی کی۔'' وہ پھر مذاق کر گیا اور وہ جو غصے سے بے حال تھیں اس کا بار بار کا مذاق ان کو مزید بھڑکا گیا۔

''تمہارے اس انداز کے نتیجے میں، میں کیا سمجھوں ادیان کہ جو کچھ تم کہتے تھے وہ سب وقتی جذباتیت تھی تمہاری، ایک کم عمر لڑکے کی محض نادانی میں کہی گئی باتیں جن میں کوئی سچائی تھی ہی نہیں۔۔۔۔'' ان کے لہجے میں دُکھ بھی تھا اور غصہ بھی تاہم اس بار ادیان کا شرارتی انداز فوراً اُڑن چھو ہو گیا تھا اور ہبہ باجی کی بات پہ اس کے ماتھے پہ کئی بل پڑ گئے تھے۔

''کیا مطلب ہے آپ کی اس بات کا؟'' اس کے لہجے میں غصے کی آمیزش تھی۔

''مطلب بھی مجھے ہی سمجھانا پڑے گا؟ اتنے نادان ہو تم کہ سمجھ نہیں رہے میری بات کا مطلب......'' ان کا

لہجہ طنزیہ تھا۔

"ظاہر ہے جب تک آپ سمجھائیں گی نہیں میری سمجھ میں نہیں آئے کہ آپ کی اس بات کا اسوقت کیا مطلب ہے۔" اس کی آواز میں اب بھرپور غصہ تھا۔

"حیرت کی بات ہے مسٹر ادیان سکندر کہ آپ کو اتنی سمپل سی بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ میں کیا پوچھ رہی ہوں۔ خیر تم کہتے ہو تو اور واضح طریقے سے پوچھ لیتی ہوں۔ تو مسٹر ادیان کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گے کہ اتنے عرصہ سے آپ جو یہ راگ الاپتے پھر رہے ہیں کہ آپ زائنہ سے محبت کرتے ہیں، صرف وہی آپ کی چاہت ہے تو یہ سب باتیں کیا تھیں؟ کیونکہ مجھے تو اب اُن باتوں میں سوائے وقتی جذباتیت اور ایک بچے کی بیوقوفانہ ضد کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔" ان کے الفاظ طنز سے پُر تھے، ادیان کی پیشانی کے بلوں میں اضافہ ہوگیا۔

"کہنا کیا چاہتی ہیں آپ؟ میں کیا اتنا ہی بیوقوف اور پاگل دِکھائی دیتا ہوں آپ کو کہ اپنے جذبوں کی سچائی ہی جان نہ سکوں یا اتنا جاہل سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھے کہ آپ یہاں کھڑی میرے پاک اور کھرے جذبوں پہ شک کرتی رہیں گی اور میں کھڑا اسنتا رہوں گا۔ یہ آپ ہیں ہبہ باجی تو اتنا لحاظ کر رہا ہوں، آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بہت بُری طرح پیش آتا۔" اس کا واقعی بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کر دے۔ آخر وہ ایسی باتیں کہہ بھی کیسے سکتی تھیں۔ کیا وہ انجان تھیں کہ زائنہ کے لیے وہ کتنا دیوانہ تھا، پھر کیسے کہہ گئیں وہ ایسی باتیں۔ اس کی آنکھوں میں جیسے شعلوں کی لپک تھی۔

"اچھا۔ بہت بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو جبکہ تمہیں دیکھ کر لگتا نہیں کہ ان میں ذرا بھی کوئی سچائی ہے۔ ان میں اگر ذرا بھی کوئی سچائی ہوتی تو آج تم اتنے خوش، اتنے فریش نہ دِکھائی دے رہے ہوتے۔ بتاؤ نا مجھے کہ اگر تمہاری کہی باتیں سچی ہیں تو یہ سب کیا ہے؟" اُن کی آواز غصے کے باعث اُونچی ہوگئی تھی۔

"کیا سب کیا ہے؟ میرے فریش یا خوش ہونے سے اس بات کی سچائی سے کیا تعلق ہے۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں صاف صاف بتائیں، پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہیں آپ؟" وہ بُری طرح تپ گیا تھا۔

"بات ایسے کر رہے ہو جیسے ہر بات سے انجان ہو، کچھ جانتے ہی نہیں، تم۔۔۔"

"وہ واقعی انجان ہے۔۔۔" ہبہ باجی کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی جب عظمٰی بیگم بولیں، دونوں نے

ایک ساتھ دروازے کی طرف دیکھا۔نجانے وہ کب آ کھڑی ہوئیں تھیں۔

''اسے نہیں معلوم ابھی۔۔۔۔''وہ اندر آ گئیں۔ان کی آواز میں دُکھ تھا۔

''کیا نہیں معلوم،کس بات سے انجان ہوں۔کیا بول رہے ہیں آپ لوگ؟''اس کے اندر کسی انجانے سے احساس نے سر اُٹھایا جو خوشگوار تو ہرگز نہیں تھا۔

''پر چچی آپ نے بتایا کیوں نہیں،اتنی بڑی بات کیوں چُھپا رکھی ہے آپ نے؟''وہ حیرانگی سے پوچھ رہی تھیں جبکہ وہ نا سمجھی سے کبھی عظمیٰ بیگم کو دیکھتا کبھی ہبہ باجی کو،اسے شدت سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

''کیسے بتاتی ہبہ۔۔۔مجھے ڈر تھا یہ کوئی طوفان نہ کھڑا کر دے گھر میں،بھائی صاحب زبان دے چکے تھے۔اُن کی عزت کا سوال تھا اور پھر یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس میں غلطی سراسر اس کی اپنی ہے،جب دو سال پہلے یہ جا رہا تھا میں نے کہا تھا اس سے کہ میں بھائی صاحب اور بھابھی سے بات کرتی ہوں مگر اس نے روک دیا تھا مجھے تو اب سب ہو جانے کے بعد کس منہ سے بھائی صاحب اور بھابھی سے بات کرتی۔وہ کیا کہتے کہ اب تک کیوں چُپ رہی میں۔اور ہبہ سچ پوچھو تو میری ہمت ہی نہیں ہوئی کہ اسے کچھ بتاؤں۔''ان کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی،ہبہ باجی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر پھر شاید ارادہ بدل کر رُخ اس کی طرف کیا۔

''مجھے لگا تمہیں آئے تین چار دن ہو گئے ہیں تو تم جان ہی گئے ہو گے بلکہ کل جب تم آئے تو میں یہی سمجھی کہ تم اس بار اسی وجہ سے جلدی آ گئے ہو پر جب تمہارا اتنا نارمل رویہ دیکھا،اتنا فریش تو۔۔۔بس میں۔۔۔''ان کو سمجھ نہ آ رہا تھا وہ کس طرح اسے بتائیں،اب تک تو وہ اسے ہر بات سے باخبر سمجھ کے بے نقط سنا رہی تھیں مگر اب بتانے کو الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

''آپ لوگ کیوں مجھے اُلجھا رہے ہیں اتنا،جو بھی بات ہے پلیز سیدھے سیدھے بتا کیوں نہیں دیتے۔آخر کیا بات ہے ایسی۔۔۔''اس کے اندر کا ڈر بڑھتا جا رہا تھا،وہ بُری طرح چڑ کر بولا۔

''ادیان وہ......وہ ابو نے زاشنہ کا رشتہ طے کر دیا ہے اپنے دوست کے بیٹے سے اور شاید اگلے ماہ تک شادی بھی کر دیں ورنہ نکاح تو اگلے ماہ لازمی کر دیں گے۔''اور ادیان سکندر کو لگا کہ اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہے۔سانس کہیں اندر ہی اٹک گئی ہے،مگر نہیں اس کا دل بھی دھڑک رہا تھا،سانس بھی چل رہی تھی مگر اب ان میں

زندگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ وہ جیسے بے دم سا ڈریسنگ ٹیبل کی سطح پہ ہی بیٹھ گیا، کئی چیزیں وہاں سے زمین پر جا گریں۔

''ادیان......'' عظمیٰ بیگم ایکدم آگے بڑھیں تھیں۔

''آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا'' اس کی نظریں نیچے تھیں اور آواز ایسے تھی جیسے بمشکل بول رہا ہو۔

''تجھے میں نے کہا تھا نا مجھے بھائی صاحب اور بھابھی سے بات کر لینے دے مگر تو نے روک دیا، تیری بات بھی معقول تھی لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ ہم بہت اہم باتوں کو نظر انداز کر گئے تھے اگر تب ہی ان باتوں پہ بھی سوچ لیتے تو آج سب کچھ ٹھیک ہوتا، زائنہ کسی اور آنگن میں نہ جا رہی ہوتی۔'' عظمیٰ بیگم کی بھی کتنی خواہش تھی زائنہ کو اپنی بہو کے روپ میں دیکھنے کی مگر ہر خواہش کا پورا ہونا ضروری تو نہیں۔

''وہ اب بھی کسی اور آنگن میں نہیں جائے گی وہ یہیں رہے گی میری بن کر۔۔۔'' وہ جیسے کچھ ٹھان چکا تھا، لب بھینچ کر بولا۔ اسے امی کی بات دل کے آرپار ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ وہ ایکدم اپنی جگہ سے اُٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تو عظمیٰ بیگم اور ہبہ ایک ساتھ اس کے پیچھے لپکی تھیں، عظمیٰ بیگم نے اس کا بازو تھام لیا۔

''کہاں جا رہا ہے تو؟''

''تایا جی کے پاس۔'' اس نے اپنا بازو آزاد کروانا چاہا، انہوں نے گرفت مضبوط کر لی۔

''کیوں، کس لیے؟'' وہ جانتی تھیں مگر پھر بھی پوچھ رہی تھیں۔

''اُن کو کہنے کہ وہ یہ رشتہ توڑ دیں، زائنہ اس گھر سے کہیں نہیں جائے گی۔ اسی گھر میں رہے گی مگر اب میرے حوالے سے......'' وہ بنا ان کی طرف دیکھے بول رہا تھا، بات مکمل کر کے اس نے پھر جانا چاہا تو انہوں نے اسے کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔

''کہیں نہیں جائے گا تو، تیری خواہش کے لیے میں بھائی صاحب کی کی عزت پہ حرف نہیں آنے دوں گی۔ اپنی خواہش کے آگے یہ مت بھول کہ وہ محسن ہیں ہمارے، چھوٹے چھوٹے تھے تم لوگ جب تمہارے ابو گزر گئے اور تب سے اب تک بھائی صاحب اور بھابھی نے ہمیں سہارا دیا ہوا ہے، تم دونوں کو اپنے بچوں سے بڑھ کر لاڈ، پیار دیا ہے اور کبھی جتایا تک نہیں تو کیا اب تو یہ صلاح دے گا ان کی نیکی کا کہ ان کے دوست کے آگے ان کی

ناک کٹوائے گا جبکہ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ان کے لیے زبان کا پاس رکھنا کس قدر اہم ہے...... حوش کر ادیان، بھائی صاحب اگر تیری ضد مان بھی گئے تو اپنے دوست کے آگے جھک جائیں گے، ٹوٹ جائیں گے وہ ادیان، کچھ تو خیال کر......" وہ اسے کہتے کہتے رو پڑیں تھیں، ہبہ کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ وہ جانتی تھی کیا حال ہو رہا ہوگا اسوقت اس کا، کتنا چاہتا تھا وہ زائنہ کو وہ جانتی تھی، پاگل ہی تو تھا اس کے لیے جبکہ ادیان کی حالت ایسے تھی جیسے کوئی پل میں اس کا سب کچھ چھین کر لے گیا ہو، اس کی زندگی، اس کا سکون، اس کی ہنسی سب کچھ۔

"یہ میری ضد نہیں ہے امی میری زندگی ہے، میں کیسے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کسی اور کا ہو جانے دوں۔ میں نہیں رہ پاؤں گا اس کے بنا امی، آپ تو جانتی ہیں نا...... جانتی ہیں نا کہ میں کس قدر محبت کرتا ہوں اس سے، میں کیسے اپنی چاہت سے دستبردار ہو سکتا ہوں، کیسے امی۔ پلیز کچھ کریں نا......" وہ ان کی آغوش میں چھپا رو رہا تھا، اپنے اتنے بہادر بیٹے کو یوں روتے دیکھ ان کا دل جیسے پھٹنے کو تھا۔ وہ پہلی بار اسے اسطرح روتے دیکھ رہی تھیں اور نقصان بھی تو کچھ کم نہ تھا۔ جسے وہ بچپن سے چاہتا آ رہا تھا، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی جس کی تمنا اس نے کی تھی، جس سے محبت اس کی زندگی بن گئی تھی آج اسے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اسے کبھی مل ہی نہیں سکتی، اس کے سامنے اسے کسی اور کا بنا کر اسے سونپ دیا جائے گا، وہ کیسے نہ روتا، کیسے نہ تڑپتا۔ اب اس کے علاوہ تو اس کے بس میں کچھ بھی نہ تھا۔ ہبہ بھی پاس کھڑی بنا آواز کے آنسو بہا رہی تھیں، ادیان سے کس قدر اُنسیت تھی اُنہیں، چھوٹا تھا مگر ہمیشہ بڑے بھائیوں کی طرح حفاظت کی دیوار بنا رہتا تھا، اُنہوں نے بھی اس کو اپنے سگے بھائی سے کم نہ سمجھا تھا اور جب اُنہیں پتہ لگا تھا کہ وہ زائنہ کے لیے کیا جذبات رکھتا ہے اس روز وہ انہیں اور بھی عزیز ہو گیا تھا، آج وہ اس سے لڑنے آئی تھیں کہ وہ کچھ کرتا کیوں نہیں ہے، وہ چاہتی تھیں کہ زائنہ کا رشتہ وہاں سے ختم ہو کر ادیان سے ہی ہو مگر چچی کی باتوں نے اُنہیں بھی گہرے دُکھ کے پاتال میں لا پھینکا تھا، اب واقعی دیر ہو چکی تھی، اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اُنہیں افسوس ہو رہا تھا کچھ دیر پہلے ادیان کو کہی گئی اپنی ہر بات پہ، کیا کچھ نہیں سُنا دیا تھا اُنہوں نے، ان کو پچھتاوا ہونے لگا۔

وہ اب بھی عظمٰی بیگم کی گود میں منہ چھپائے سسک رہا تھا، ہبہ آنکھوں میں نمی لیے باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

ذوالفقار حیدر اور عائشہ بی بی کی دو اولادیں تھیں۔ ناصر ذوالفقار اور ان سے چھوٹے سکندر ذوالفقار، وہی ان دونوں کا کُل سرمایہ تھے جن پر وہ اپنا پیار، دُلار صرف کرتے تھے۔ وقت اپنی رفتار سے آگے بڑھتا رہا دونوں بھائی جوان ہوئے، تعلیم مکمل ہوئی تو باری باری دونوں کی شادیاں ہوگئیں۔ پہلے گھر میں ذوالفقار صاحب کی چچا زاد بھائی کی بیٹی ربیعہ ناصر صاحب کے ساتھ بیاہ کر اس گھر میں آئیں، اچھی تربیت میں پلی بڑھی بڑی صوبر خاتون تھیں، شادی کے ڈیڑھ سال بعد ان کے آنگن میں ہبہ آئی، ہبہ کی پیدائش کے تین سال بعد زائنہ نے اس گھر میں آنکھ کھولی۔ زائنہ تین سال کی تھی جب ذوالفقار صاحب اور عائشہ بی بی نے اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے عظمٰی کو پسند کیا، عظمٰی بھی ذوالفقار صاحب کے دور پار کے رشتے میں بہن جو بیوہ تھیں کی بیٹی تھی۔ دونوں بہویں ہی بہت ملنسار اور سگھڑ تھیں، گھر کا ماحول بڑا خوشگوار رہتا تھا۔ ایک سال بعد عظمٰی اور سکندر کو اللہ نے بیٹے کی نعمت سے نوازا، ناصر صاحب کی خواہش پہ اس کا نام ادیان رکھا، گھر کا پہلا بیٹا تھا خوب ہی لاڈ نخرے اُٹھائے جاتے ہبہ کیساتھ ساتھ زائنہ بھی اس کے لاڈ اُٹھاتی رہتی۔ ادیان پانچ سال کا تھا جب ناصر صاحب اور ربیعہ بیگم کو بھی اللہ نے بیٹا دیا، عاصم پیدا ہوا اور پھر گھر کا سب سے چھوٹا بیٹا ذیشان جو عاصم سے دو سال چھوٹا تھا عظمٰی اور سکندر کی گود میں آیا اور یوں یہ گھرانہ مکمل ہوگیا۔ وقت گزرتا رہا، ذوالفقار صاحب اور عائشہ بی بی اپنی دعائیں اپنے بچوں کے نام کرتے آخری سفر پہ چل دیے۔

ادیان نو سال اور ذیشان دو سال کے تھے جب سکندر ذوالفقار کی طبیعت بہت بگڑی، کچھ عرصہ سے وہ ویسے بھی بیمار رہنے لگے تھے مگر لاپرواہی کرتے رہے اور جب توجہ دی تب تک بہت دیر ہوچکی تھی، اُنہیں کینسر تھا اور اس کی آخری سٹیج تھی اور پھر کچھ ہی عرصہ بعد وہ بھی چل بسے تب ناصر صاحب نے خوشی خوشی اُن تینوں کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی جسے وہ اب تک خوشی خوشی احسن طریقے سے سرانجام دے رہے تھے، ان کی بیوی ان کے ساتھ برابر شریک تھیں، کبھی کوئی احسان جتاتا لفظ تک ان کی نوکِ زبان پر نہ آیا تھا اور پورا گھرانہ بڑی محبت سے مل جل کر رہ رہا تھا بنا کسی تو تکرار اور لڑائی جھگڑے کے۔

یوں تو سبھی بچے آپس میں ایک دوسرے سے بہت اُنسیت رکھتے تھے مگر ادیان کا زیادہ جُھکاؤ زائنہ کی طرف تھا جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی رہا تھا، زائنہ خود بھی ادیان کا بہت خیال رکھتی تھی، ہبہ چونکہ سب

سے بڑی تھی تو کبھی اُسے باجی کہتے تھے مگر ادیان نے زائنہ کو کبھی باجی یا آپی کہہ کر نہیں پکارا تھا جبکہ زائنہ کو اُتنا ہی شوق تھا کہ وہ ہبہ کی طرح اُسے بھی باجی کہے اور یہ واحد بات تھی جس پر دونوں کی لڑائی ہو جاتی، زائنہ ڈانٹتی کہ وہ بڑی ہے اُسے باجی کہا جائے جبکہ ادیان صاحب کہتے کہ زائنہ اس کی دوست ہے اور دوست کو باجی نہیں کہتے۔ زائنہ کے کہنے پر ناصر صاحب نے بھی ایک دو بار کہا کہ اگر وہ زائنہ کو باجی کہے وہ تب بھی اس کی دوست رہے گی مگر ادیان پھر بھی نہ مانا تو ناصر صاحب بھی بچوں کی بات میں مزید نہ بولے اور اس بات میں ان کی تکرار ہوتی ہی رہی اور یہ تکرار اب تک جاری تھی۔ نہ زائنہ نے کبھی اسے کہنا چھوڑا نہ اس نے کبھی یہ بات مانی، ہاں گزرتے وقت کے ساتھ ادیان پہ یہ بات ضرور آشکار ہو گئی کہ زائنہ اس کی زندگی میں صرف ایک دوست کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ اس کا مقام ادیان کے دل میں ایک دوست سے بہت بڑھ کر ہے، اسے معلوم ہوا کہ وہ جو زائنہ کی اتنی پرواہ کرتا ہے، اس کے دور جانے سے اس قدر ڈرتا ہے یہ سب صرف دوستی نہیں ہے وہ زائنہ سے محبت کرتا ہے، بے حد محبت۔۔۔

وہ اس وقت سیکنڈ ئیر میں تھا جبکہ زائنہ کے بی ایس کا چھٹا سمیسٹر تھا، وہ روزانہ صبح کالج جاتے ہوئے زائنہ کو بھی اس کے کالج ڈراپ کرتا جاتا تھا اور واپسی پہ وہ پوائنٹ سے گھر آتی تھی کیونکہ وہ کالج سے سیدھا اکیڈمی چلا جاتا تھا اور پھر وہاں سے چھ ساڑھے چھ تک واپس آتا، اس روز بھی ایسا ہی ہوا کہ وہ زائنہ کو اس کے کالج چھوڑ کر خود اپنے کالج آ گیا تھا، سوا دو کے قریب وہ اپنی آخری کلاس لینے جا رہا تھا جب گھر سے کال آنے لگی ،سننے پر جو خبر ملی وہ اس کے پیروں تلے سے زمیں کھسکانے کے لیے کافی تھی، کالج سے نکل کر وہ کھڑی بس کا انتظار کر رہی تھی جب پیچھے سے دھکا لگنے کے باعث وہ ایک دم سڑک پر گری تھی اور فوراً اُٹھ کر دوبارہ سٹاپ کے ویٹنگ ایریا میں جانا چاہتی تھی کہ عین اُسی وقت ایک تیز رفتار گاڑی سے زوردار ٹکرا کر وہ دور جا گری، آس پاس موجود لوگ اسے فوراً ہسپتال لے گئے تھے اور اس کے موبائیل سے فوراً اس کے گھر اطلاع کر دی تھی۔

وہ فوراً ہسپتال پہنچا تھا، تایا جی، تائی ماں اور امّی وہیں تھے۔ تائی جی اور امّی کا رو رو کر بُرا حال تھا جبکہ تایا جی بھی پریشانی سے وہاں ٹہل رہے تھے، وہ تیزی سے تایا جی کی طرف بڑھا، انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں چوٹیں بہت شدید نوعیت کی ہیں، وہ اپنی پوری کوشش کریں گے۔ اور ادیان سکندر کی پاؤں اس کا بوجھ سہارنے

سے انکاری ہو گئے تھے، وہ گرنے کے سے انداز میں تایا جی کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا تھا اور پھر اس کے بعد ڈاکٹر نے کہا تھا کہ وہ ہسپتال کی فیس بھر دیں، فیس دیکھ کر تایا جی پریشان ہو گئے تھے، ہسپتال بہت مہنگا تھا اور اُنہی دنوں تایا جی کو کاروبار میں شدید نقصان ہوا تھا، اور زائنہ کو ایسی حالت میں کسی دوسرے ہسپتال شفٹ کرنا خطرے سے خالی نہ تھا تب وہ بنا کسی کو کچھ بتائے، بنا کسی سے کچھ پوچھے جا کر اپنی بائیک جو اس نے اپنی پاکٹ منی جمع کر کے اور کچھ عرصہ ٹیوشن پڑھا کر خریدی تھی اور تایا جی نے اسے میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کرنے پر امّی کے نہ نہ کہنے کے باوجود اسے جو اتنا مہنگا موبائیل لے کر دیا تھا وہ بیچ آیا تھا اور پیسے لا کر تایا جی کے ہاتھ میں رکھ دیے تھے اور جب ان کے سختی سے پوچھنے پر بتایا تھا کہ یہ پیسے کہاں سے آئے ہیں تو تایا جی سر تھام کر رہ گئے تھے، وہ جانتے تھے کہ اسے اپنی یہ دونوں چیزیں کس قدر پسند تھیں، تایا جی نے وہ پیسے لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ اسے تسلی دیتے رہے تھے کہ وہ انتظام کر لیں گے کسی نہ کسی طرح مگر وہ زائنہ کے لیے ایک سیکنڈ کا بھی رسک نہیں لے سکتا تھا، اس نے تایا جی کو یہ کہہ کر وہ پیسے رکھنے کے لیے مجبور کر دیا تھا کہ زائنہ کے ٹھیک ہونے کے بعد جیسے ہی اُن کا کاروبار پہلے کی طرح چلنے لگا وہ خود اُن سے نیا موبائیل گفٹ لے گا۔

اس حادثے میں ہی ادیان پہ یہ بات آشکار ہوئی تھی کہ وہ زائنہ سے محبت کرتا ہے، اُسے کچھ ہو جانے کا خیال ہی اس کی روح کھینچ لیتا تھا اور پھر سب کی دعاؤں سے وہ بالکل ٹھیک ہو کر گھر آ گئی تھی، ادیان اس تمام عرصہ میں اپنا آپ بھول کر اس کا خیال رکھتا رہا تھا، اس کی دوا، اس کو کھانے میں کیا دینا ہے، کتنی کتنی دیر بعد دینا ہے اسے سب سے زیادہ اس بات کا خیال رہتا تھا اور پھر زائنہ جلد ہی بالکل ٹھیک ہو گئی تھی، اس نے اللہ کا اتنا شکر ادا کیا تھا، زائنہ کے ٹھیک ہوتے ہی اس نے اپنی پاکٹ منی چپکے سے اس کے سوتے ہوئے اس پہ سے وار کر غریبوں میں بانٹ دی تھی اور تب زائنہ کے ٹھیک ہونے پر اس نے اُسے اپنے دل کی بات بتانے کا سوچا تھا مگر بتاتے ہوئے جھجک رہا تھا اور اُس وقت اس نے زائنہ کو یہ بات لکھ کر بتانے کا فیصلہ کیا، وہ اپنے دل کی ہر بات، ہر احساس لکھتا گیا مگر بُرا ہوا کہ جب دینے کی باری آئی تو پیپر ہبہ باجی کے ہاتھ لگ گیا اور جب ہبہ باجی نے وہ پڑھا تو بس۔۔۔۔ادیان صاحب سُرخ چہرہ لیے کبھی اِدھر دیکھتے تو کبھی اُدھر صرف ایک ہبہ باجی کے علاوہ کمرے کی ہر چیز کا ادیان صاحب نے پوسٹ مارٹم کر ڈالا، جب کافی دیر تک کوئی خاموشی چھائی رہی تو اسے ان

کی طرف دیکھنا ہی پڑا جو منہ کھولے اور تقریباً آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں اور اس کے بعد نہ ختم ہونے والے سوال و جواب اور اس کے بعد شامت یہ آئی کہ وہ دونوں اِنہی سوال و جواب میں ایسے مگن ہوئے کہ اس پیپر کو سِرے سے ہی فراموش کر بیٹھے اور وہ، ادیان صاحب کا پہلا پہلا لَو لیٹر جن کے لیے لکھا تھا اُن کو تو کیا ہی ملنا تھا۔ اب ہبہ باجی کے بعد ان دونوں کو کھانے کے لیے بُلانے آئیں عظمیٰ بیگم کے ہاتھ لگ چکا تھا اور جب تک دونوں کو کسی اور کی کمرے میں موجودگی کا احساس ہوتا بہت دیر ہو چکی تھی۔۔ پیپر عظمیٰ بیگم کے ہاتھ میں دیکھ ادیان کا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا، ہبہ کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔۔۔ امی تو پڑھ کر آگ بگولا ہی ہو گئیں تھیں اور خوب ہی اس پر برسی تھیں، وہ ڈرا بھی تھا، جھجکا بھی تھا۔ اچانک اتنا کچھ ہو جانے پر گھبرا بھی گیا تھا مگر امی کی بے شمار نصیحتوں، ڈانٹوں اور ڈراووں کے نتیجے میں بھی اس کا ایک ہی جواب تھا کہ

"وہ زائنہ سے محبت کرتا ہے"

اور اتنا تو عظمیٰ بیگم بھی جانتی تھیں کہ ان کا بیٹا بے شک کم عمر ہے مگر اتنا نادان نہیں کہ وقتی جذباتیت کے زیرِ اثر ایسی کوئی بات کرے یا ایسا قدم اُٹھائے۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار تھا، باپ کی موت نے اسے وقت سے پہلے عمر سے بڑا کر دیا تھا، وہ لاکھ شرارتیں کرتا تھا مگر اپنی حدود کا اُسے اچھی طرح اندازہ تھا، ایسے میں عظمیٰ بیگم اس کو بہت زیادہ کچھ کہہ ہی نہ پائی تھیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے اس کی محبت کی گہرائی بہت اچھے سے جانچ لی تھی۔ وہ زائنہ کے علم میں آئے بنا ہر جگہ، ہر گھڑی اس کی ڈھال بنا رہتا تھا، اس کی ذرا سی تکلیف ادیان کو بے چین کر دیتی تھی، اگر کبھی کام میں لگ کر وہ کچھ نہ کھاتی تو ادیان بھی کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر کھانے سے انکار کر دیتا، اس کی ہر ضرورت پوری کرنا جیسے اس پہ فرض تھا۔ وہ سچ میں زائنہ کے لیے دیوانہ تھا اور پھر جب دو سال پہلے اس کا اڈمیشن اسلام آباد کی ایک بہترین یونیورسٹی NUS میں ہوا تب عظمیٰ بیگم نے بیٹے کی خوشی دیکھتے ہوئے اس سے ناصر صاحب اور ربیعہ بیگم سے زائنہ کا ہاتھ مانگنے کی بات کی، اب تو ان کی اپنی بھی یہی خواہش تھی کہ زائنہ ان کی بہو بنے لیکن تب ادیان نے اُنہیں بات کرنے سے منع کر دیا، عظمیٰ بیگم اس کے انکار پر حیران ہوئیں مگر پھر اس نے ان کو انکار کی وجہ تفصیلاً بتائی۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے، کمانے لگے، ماں اور بھائی کی ذمہ داری خود اُٹھانے لگے تب وہ زائنہ کو اس کے لیے مانگیں، اس کی بات بھی معقول تھی مگر

پھر بھی عظمٰی بیگم چاہتی تھیں بات کرلیں مگر وہ انکاری رہا، وہ اپنی ماں اور بھائی کی ذمہ داری پہلے خود لینا چاہتا تھا، تایا جی کی یہ اضافی ذمہ داری ختم کر کے اُن کی بیٹی کو اپنانا چاہتا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا اس کا یہ انکار اُسے کتنا بھاری پڑنے والا تھا۔

اس کے جانے سے پہلے ہبہ باجی کی شادی ہوگئی اور پھر وہ اسلام آباد چلا گیا۔ چھ ماہ بعد، ہر سمیسٹر کے بعد وہ لاہور آجاتا، چھٹیاں دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کے بجائے وہ گھر میں گزارنا پسند کرتا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ کیا تھی یہ تو بس ہبہ باجی اور عظمٰی بیگم ہی جانتے تھے۔ ہبہ باجی تو اسے چھیڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھیں مگر اس بار اس کے آنے سے پہلے یہاں اتنی جلدی میں جو کچھ ہوا تھا وہ عظمٰی بیگم نے سوچا تھا نہ ہبہ نے اور ادیان سکندر کے تو گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ زائنہ اس کی نہیں ہو پائے گی مگر یہ بات تو سچ ہی ہے کہ کاتب تقدیر ہمارے گمان سے پرے، ہماری سوچوں سے بہت آگے کے فیصلے کرتی ہے اور ہمارے پاس اس میں تبدیلی تو دور ترمیم کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہم ہنسیں، روئیں، چیخیں یا چلائیں مگر چلنا تب بھی اُسی راہ پر پڑتا ہے جس پر تقدیر ہمیں لا پھینکے۔۔۔ چاہے وہ راہ پھولوں کی ہو چاہے کانٹوں سے بھری ہو۔ چاہے اُس پہ خوشی سے چلیں چاہے رو کر لیکن چلنا اُسی پہ ہے ہر حال میں، ہر صورت۔۔۔۔۔!!!!

اسے چھٹیوں کے بعد واپس گئے تین چار ماہ ہوئے تھے کہ جب ناصر صاحب کے ایک پُرانے دوست محمود عباس بیس سال بعد وطن واپس لوٹے تھے۔ ماضی میں دونوں کی دوستی بہت گہری رہی تھی، رابطہ اس عرصہ میں گو کہ ختم نہ ہوا تھا لیکن اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف ہو کر نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ سالوں میں ایک یا دو مرتبہ بات ہو جاتی تھی لیکن اب جو وہ واپس آئے تو روزانہ ہی محفل جمتی۔ پُرانے اور بھی دوست جو رابطے میں تھے روز اکٹھے ہوتے پھر ایک روز ناصر صاحب نے اُنہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ ربیعہ بیگم اور عظمٰی بیگم دونوں ہی جانتی تھیں اُنہیں۔ وزائنہ کو اُسی روز اُنہوں نے دیکھا تھا مگر بات تین چار روز بعد ناصر صاحب سے کی اور ناصر صاحب نے فوراً ہاں کر دی تھی، آخر کو اُن کے جگری دوست تھے۔ اُنہیں پورا اعتبار تھا اُن پر اور ارسل سے بھی وہ ایک دو بار مل چکے تھے، اچھا سُلجھا ہوا لڑکا تھا۔ اور گھر آکر اُنہوں نے اپنا فیصلہ بتا دیا تھا۔ وہ کوئی سخت گیر باپ نہ تھے لیکن اگر کسی بات میں اَڑ جاتے تو کوئی دلیل اُنہیں اپنی کہی بات سے ہٹا نہیں سکتی تھی اور

اگر کسی کو زبان دے دیتے، کوئی وعدہ کر لیتے تو پھر وہ بات اُن کے لیے زندگی موت سے کم نہ ہوتی تھی۔ اس بات سے گھر کا ہر فرد واقف تھا۔ عظمیٰ بیگم اور ہبہ تو چکرا کر رہ گئی تھیں، وہ تو کیا سوچ بیٹھی تھیں اور ہو کیا رہا تھا۔ ہبہ نے اپنی طرف سے کوشش کی کہ یہ سب رشتہ ختم ہو جائے مگر اس کی دلیلوں کے جواب میں ناصر صاحب نے سختی سے ٹوک دیا، دوسری طرف زائنہ بھی اس رشتے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ ابھی صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دینا چاہتی تھی لیکن ناصر صاحب کے آگے اس کی بھی نہ چلی نتیجتاً وہ بھی چُپ سادھ کر بیٹھ گئی۔

ادیان کو فی الحال بتانے سے اُنہوں نے سختی سے منع کیا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اُسے معلوم ہوا تو وہ کہیں چھٹیاں لے کر آ ہی نہ جائے یا وہیں اُس کا دھیان گھر کے کاموں میں نہ لگ جائے کہ شادی تین چار ماہ میں ہونے کا فیصلہ ہوا تھا کیونکہ چھ ماہ بعد ارسل کو واپس کینیڈا چلے جانا تھا جبکہ محمود عباس ابھی کچھ عرصہ یہیں رُکنے کا ارادہ رکھتے تھے، ناصر صاحب نہیں چاہتے تھے کہ ادیان کی توجہ پڑھائی سے ہٹے۔ عظمیٰ بیگم نے تو ادیان کو نہ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اُنہیں یہی ڈر تھا کہ جب اُسے پتا چلا تو وہ کوئی طوفان نہ کھڑا کر دے کہ زائنہ کے معاملے میں وہ اس سے ہر قسم کی توقع رکھتی تھیں جبکہ ہبہ ادیان کو بتانا چاہتی تھی لیکن کوشش کے باوجود ہمت نہ کر پاتی تھی۔۔۔۔ اور اب ادیان کے آنے کے بعد ناصر صاحب نے شادی کی تاریخ بھی محمود صاحب سے بات کر کے اور سب کے صلاح مشورے سے ایک ماہ بعد کی رکھ دی تھی۔ جبکہ ادیان اس وقت بھی بالکل خاموش بیٹھا رہا جب تایا جی نے اپنی دانست میں اسے خوشخبری سُنائی تھی جبکہ اس کے اندر سناٹا مزید بڑھ گیا تھا۔ وہ زبردستی مُسکرا بھی نہ سکا تھا، ہبہ نے سب کو اس کی طبیعت خرابی کا کہہ کچھ حد تک مطمئن کر دیا تھا جبکہ اس کے چہرے پر چھائی اذیت صرف عظمیٰ بیگم اور ہبہ ہی دیکھ سکتی تھیں مگر کچھ بھی کرنا اُن کے بس میں نہ تھا۔ اور ادیان۔۔۔۔ وہ ایک مسلسل گہری چُپ کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔

☆......☆......☆

"یار گھر میں شادی ہے تم بیمار ہو کر بیٹھ گئے ہو، میں بوڑھا بھلا کیسے سنبھالوں سب۔" اس روز وہ سب بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے جب ناصر صاحب اس کی سُرخ ڈوروں سے سجی آنکھیں اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ ویران سا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ایک عرصہ کا بیمار لگ رہا تھا۔ ان کی بات پر سب نے ہی اس کی جانب دیکھا

تھا۔ زائنہ نے بھی نظر اُٹھا کر دیکھا، وہ واقع دنوں میں کمزور ہو گیا تھا، وہ اس کا خیال رکھنے کی کوشش کرتی تھی مگر وہ آج کل ہر کسی سے کٹا کٹا رہتا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں تایا جی۔ آپ بتائیے کیا کیا کرنا ہے؟'' اب وہ صرف ایک اپنے دل کی بربادی پہ سزا سب کو تو نہیں دے سکتا تھا۔

''کچھ نہیں کرنا، چپ چاپ آرام کرو۔ اور کیا آپ بھی۔۔ بچے کی حالت نہیں دیکھ رہے کیا ہو گئی ہے کام کا بوجھ ڈال دیں۔'' ربیعہ بیگم نے فوراً مداخلت کی۔

''میں ٹھیک ہوں تائی ماں، آپ بتائیں تایا جی۔'' وہ پھر بولا۔

''یار تمہاری تائی ماں ٹھیک کہہ رہی ہیں، میں صرف تمہیں جلدی ٹھیک ہونے کا کہہ رہا ہوں۔ جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ پھر سب کام تمہارے ذمے۔'' تایا جی کی بات پر وہ محض سر ہلا کر رہ گیا اور یونہی جو نظر سامنے اُٹھی اس کا دل جیسے رُکنے کے در پر ہو گیا، زائنہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ تو اس کا کمزور چہرہ دیکھ رہی تھی جبکہ ادیان ایک نظر کے بعد اگلی ڈالے بغیر وہاں سے اُٹھ گیا تھا۔

''میں آرام کروں گا۔ گڈ نائٹ۔'' اُسے لگا اگر مزید وہ وہاں بیٹھا تو زائنہ ضرور اس کی آنکھوں سے اس کے دل کا بھید پا لیتی، وہ اُس روز سے زائنہ سے بچتا پھر رہا تھا، اسکے سامنے تک آنے سے گریزاں تھا۔ اب بھی وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں جا بند ہوا جبکہ زائنہ حیران رہ گئی۔ وہ ایسے کیوں چلا گیا تھا، پھر اس کی طبیعت خرابی کا سوچ کر دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆......☆......☆

''تایا جی میٹھے میں کیا رکھوانا ہے؟'' وہ فون پہ بات کرتا کرتا بولا تو انویٹیشن کارڈز پر نام لکھتے ناصر صاحب سوچ میں پڑ گئے پھر پاس سے گزرتی ہبہ کو پکار کر پوچھا جو شادی تک ادھر رہنے کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ ہبہ نے اس کو دیکھا جو جواب کے انتظار میں چپ چاپ کھڑا فون کو گھور رہا تھا، وہ جانتی تھیں کہ وہ ان سے نظریں چرا کر اپنی آنکھوں میں اُتری ویرانی چھپانا چاہتا ہے مگر وہ شاید یہ بھول گیا تھا کہ وہ نظریں جُھکا کر اپنی آنکھوں میں ڈولتے تاثرات تو چھپا سکتا ہے لیکن اپنے چہرے پہ لکھی کرب کی تحریر نہیں چھپا سکتا۔ کم از کم ہبہ اور عظمیٰ بیگم

سے تو بالکل نہیں۔

''پتہ نہیں ابو۔ آپ کو جو بھی بہتر لگے۔'' وہ بمشکل اپنی رندھی آواز پر قابو پاتی وہاں سے ہٹ گئی تھیں جبکہ ادیان کی گرفت فون پر سخت ہو گئی تھی۔

''اچھا ادیان اُن کو کہو بیٹھے میں اُن کے پاس سب سے بیسٹ ہے وہی کر لیں۔'' اگلے ہی پل تایا جی بولے تو اس نے وہی آرڈر کر کے کال منقطع کر دی۔

وہ تایا جی کے ساتھ مسلسل ہر کام میں شریک تھا مگر اس کا دل روز ایک نئی اذیت سے دوچار ہوتا تھا، کبھی تائی ماں بازار سے چوڑیاں لا کر اس کی کلائی میں پہنا کر دیکھتیں کہ سائز سہی ہے یا نہیں تو کبھی جھومر ٹکا کر دیکھتیں کہ اس کے چہرے پر کیسا لگ رہا ہے۔ وہ وہیں بیٹھا کبھی مہمانوں کو دیے جانے والے تحفوں کو دیکھ رہا ہوتا تو کبھی کارڈز دینے جانے کے لیے سمیٹ رہا ہوتا۔ اس وقت بھی وہ باہر سے آ کر تایا جی کی کوئی بات سُنے بیٹھا تھا، تائی ماں ہبہ باجی اور امّی کو کچھ بتا رہی تھیں اور عاصم اور ذیشان بیٹھے ٹی۔وی دیکھ رہے تھے جب وہ اپنے کمرے سے بولتی ہوئی نکلی۔

''امّی یہ دیکھ لیں پھر میں چینج کروں۔ بہت اُلجھن ہو رہی ہے۔'' وہ یہ بھاری جوڑا پہنے سخت بیزاریت کا شکار تھی اور اس کی آواز پہ ادیان نے بلا ارادہ ہی اس کی طرف دیکھا تو اس طرح بے اختیار ہوا کہ وہ اپنی تمام تر قوت جمع کر کے بھی اس پر سے نظر نہ ہٹا پایا تھا، وہ شادی کے جوڑے میں تھی، میرون رنگ کا غرارہ، جس پہ گولڈن رنگ کا بھاری کام تھا پہنے تائی ماں کے سامنے کھڑی تھی جو اس کے غرارے کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔۔۔

''ہاں تو تم ڈھنگ سے کچھ بتا رہی ہو خود نہ ساتھ بازار جا رہی ہو، اب خود لاؤں گی تو دیکھوں گی نا کہ چیز سہی آئی بھی ہے یا نہیں۔۔۔'' ان کی ڈانٹ پر وہ منہ بسور کر چپ ہو گئی۔ شادی میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا۔

یہ دلہن کا جوڑا، کنگن، چوڑیاں، ہار سنگھار سب کسی اور کے لیے ہیں ادیان۔۔۔ تم اُسے دیکھنے کا حق نہیں رکھتے، تم نے خود اپنی بیوقوفی سے اُسے کھو دیا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ وہ اب کسی اور کی امانت ہے، وہ اب تمہیں کبھی نہیں ملے گی ادیان، وہ اب تمہاری کبھی نہیں ہو گی۔ تم اب پوری زندگی اس کے بنا گزارو گے۔۔۔۔ اس

کے دل و دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے، اس کا پورا وجود آندھیوں کی زد میں تھا۔ اس نے فوراً نظریں اس پر سے ہٹالی تھیں، تایا جی اسے کچھ کہہ کر باہر نکل گئے تھے، وہ سن نہیں پایا تھا کہ انہوں نے کیا کہا ہے، تائی ماں بھی زائنہ کو لیے کمرے میں چلی گئی تھیں تبھی عظمیٰ بیگم کی نظر اس پر پڑی، اس کا چہرہ انتہائی سرخ ہو رہا تھا، وہ تیزی سے اس کے پاس آئی تھیں، ہبہ بھی جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

''ادیان کیا ہوا ہے تمہیں۔۔۔ ادیان۔۔'' انہوں نے زور سے اس کا بازو جھنجھوڑا تو اس نے ان کی طرف دیکھا، آنکھوں میں اجنبیت چھائی ہوئی تھی، وہ دونوں ہی گھبرا گئیں۔

''ادیان۔۔۔'' اب کہ ہبہ نے اس کا کندھا ہلایا، اس نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر جھٹکے سے اٹھا اور اپنے کمرے میں گھس گیا، وہ دونوں بھی اس کے پیچھے گئیں۔

''ادیان تو ٹھیک تو ہے نا؟'' وہ بیڈ سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھا تھا، عظمیٰ بیگم نے اس کا سر اونچا کیا تو دنگ رہ گئیں، اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا۔

''ادیان۔۔۔'' وہ پریشان سی اس کے سامنے بیٹھ گئیں اور اگلے ہی لمحے وہ ان کی گود میں سر رکھے بلک اٹھا

''امی میں نہیں رہ سکتا اس کے بغیر، اس کی زندگی میں کسی اور کا تصور بھی کرتا ہوں تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔ کیسے اسے کسی اور کا ہونے دوں، زائنہ تو صرف ادیان کی ہے نا، وہ کیسے کسی اور کی ہو سکتی ہے۔۔۔ امی مجھ میں حوصلہ نہیں ہے اسے کھونے کا، میں مر جاؤں گا امی۔ میں مر جاؤں گا۔'' وہ بلک رہا تھا اور وہ دونوں بے بسی سے اسے بلکتا دیکھ رہی تھیں، وہ چاہ کر بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

وہ کتنی دیر تک ان کی سامنے بلکتا رہا اور وہ اسے کوئی تسلی تک نہ دے پائیں اور پھر وہ بنا کچھ کہے اٹھا اور گھر سے نکل گیا، وہ دونوں پیچھے آوازیں ہی دیتی رہ گئیں۔ اس کے بعد وہ رات گئے گھر لوٹا تھا۔

☆......☆......☆

ہاتھوں میں مہندی رچے گی
ابٹن لگے گا، ہلدی لگے گی
آنکھوں میں کجرا شرمائے

بالوں میں گجرا لہرائے
کھنکیں گے گڑیا رانی کے
چوڑی والے ہاتھ۔۔۔
آج گھر میں مہندی کی تقریب تھی۔پورا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا،فل والیم میں باہر گانے بج رہے تھے،وہ اپنے کمرے میں موجود،اپنے اندر اُترتی ویرانیوں سے لڑ رہا تھا،مہندی کی رسم شروع ہوئے بھی ایک گھنٹہ گزر چکا تھا مگر وہ یونہی اپنے بستر پر لیٹا سر کو دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے مسل رہا تھا۔ان گانوں کی آوازیں اس کے سر میں ہتھوڑوں کی مانند ضربیں لگا رہی تھیں۔بس آدھا گھنٹہ پہلے تائی ماں آ کر اسے سفید شلوار قمیض دے گئیں تھی بلکہ اسے باتھ روم کی جانب زبردستی دھکیل کر کمرے سے گئی تھیں اور اُسے مجبوراً وہ پہننی پڑی تھی لیکن اس کے بعد بھی وہ باہر نہیں گیا تھا۔کوئی نہ کوئی آ کر کتنی ہی بار اسے باہر بلا چکا تھا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔دروازے پر دستک ہو رہی تھی مگر وہ جیسے ہر چیز سے بے خبر چت لیٹا کمرے کی چھت کو گھور رہا تھا۔

''ادیان۔۔۔'' تایا جی نے آواز دینے کے ساتھ اسے ہلایا تو وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔

''کیا بات ہے بیٹا،میں کب سے دستک دے رہا ہوں۔'' وہ دروازے کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

''سوری تایا جی۔مجھے آواز نہیں آئی۔'' وہ دھیرے سے بولا۔

''ہاں یہ گاجے باجوں کا شور بھی تو اتنا ہے کہ کان پڑی آواز بھی سُنائی نہ دے۔'' تایا جی نے کہا جبکہ وہ جانتا تھا کہ والیم اتنا بھی نہیں تھا جو اسے دروازے پر ہوتی دستک سُنائی نہ دیتی۔

''ہاں میں پوچھنے آیا تھا کہ رسم شروع ہوئے اتنی دیر ہو چکی ہے تم کمرہ بند کیے بیٹھے ہو،چلو بھئی باہر۔گھر میں شادی ہے اور گھر کا بڑا بیٹا ہی غائب ہے۔'' اُن کے کہنے پر اسے شرمندگی بھی ہوئی پر اپنے دل کا کیا کرتا،وہ بس اس وقت کہیں بھاگ جانا چاہتا تھا۔کہیں دور بہت دور۔۔۔۔

''بس تایا جی آ ہی رہا تھا۔سر میں تھوڑا درد ہونے لگا تھا تو لیٹ گیا۔'' اب اس کے علاوہ اس کے پاس ان سے کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

''چلو اگر اب ٹھیک ہو تو آ جاؤ۔'' ان کے کہنے پر وہ سر ہلاتا ان کے ساتھ ہی باہر آ گیا

رسم کے لیے سارا انتظام بڑے سے لاؤنج میں کیا گیا تھا جبکہ مردوں کا انتظام الگ سے باہر تھا، وہ تایا جی کے ساتھ باہر ہی جا رہا تھا کہ تائی ماں نے اسے آواز دے دی، اسے مجبوراً رُکنا پڑا ورنہ وہ تو اپنی نظر کو بھی بھٹکنے نہ دے رہا تھا کہ کہیں اس کو دیکھتے ہی وہ پھر ضبط نہ ہار بیٹھے، مگر۔۔۔۔

''چلو ادیان تم بھی چل کر زائنہ کو مہندی تیل لگا دو، اب آئے ہو ورنہ میں چاہتی تھی ہبہ کے بعد تم لگاؤ۔۔۔ چلو اب لگاؤ چل کے۔'' وہ زبردستی اس کا بازو تھام کر اپنے ساتھ لیے اسٹیج کی طرف آگئیں اور ادیان کا دل چاہا وہ یہاں سے غائب ہو جائے۔

''ہٹو بھئی بچیوں۔۔۔ ادیان چلو آؤ لگاؤ تم مہندی۔۔۔۔'' تائی ماں نے وہاں بیٹھی لڑکیوں کو ہٹا کر اس کے لیے جگہ بنوائی اور اسے زائنہ کے ساتھ بٹھا دیا، ادیان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کیا کرے۔ وہ جتنا اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا اُتنا ہی اس سے سامنا ہو رہا تھا اور ہر بار دل پہلے سے بڑھ کر اذیت میں مبتلا ہو جاتا تھا۔

رسم پوری کرنے کے بعد وہ اسٹیج سے اُتر آیا تھا، اب باہر جانے کے بجائے وہ وہیں دیوار سے ٹیک لگائے اسٹیج پر نظریں جمائے کھڑا اسے یک ٹک دیکھ رہا تھا، اب رسم ختم ہونے کے بعد زائنہ کے سسرال والے چلے گئے تھے تو زائنہ کا گھونگھٹ اب ہٹا دیا گیا تھا۔ ڈیک بھی کسی نے بند کر دیا تھا تبھی پہلے کے مقابلے کچھ خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ اس ہرے اور پیلے چوڑی دار پاجامہ شرٹ میں، گجرے پہنے، نظریں جھکائے بیٹھی کسی کے دل پر کیا بجلیاں گرا رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، کوئی کیسے پل پل اذیت سے دوچار ہو رہا تھا اُسے خبر بھی نہ تھی۔

مہندی ہے رچنے والی
ہاتھوں میں گہری لالی
کہیں سکھیاں، اب کلیاں
ہاتھوں میں کھلنے والی ہیں
تیرے من کو، جیون کو
نئی خوشیاں ملنے والی ہیں

اچانک لڑکیاں ڈھولکی لے کر بیٹھ گئیں، وہ چونک کر ہوش کی دنیا میں آیا تھا۔ اس نے ڈھولکی بجاتی، گانا گاتی

لڑکیوں کو دیکھا اور ایک بار پھر نظر اسٹیج کی جانب اُٹھی وہ اپنے ساتھ بیٹھی کسی لڑکی سے دھیرے دھیرے باتیں کر رہی تھی۔ ادیان شاید ایک بار پھر ارد گرد سے بے نیاز ہو جاتا کہ ذیشان نے اسے آ کر تایا جی کا پیغام دیا۔ وہ اسے باہر بلا رہے تھے اور تب وہ یہ سوچتا ہوا ذیشان کے ساتھ باہر نکل گیا کہ

''قسمت بھی عجیب کھیل کھیلتی ہے۔ کسی کو بنا مانگے ہی مل جاتا ہے اور کوئی ساری عمر کی تپیاؤں کے بعد بھی تہی داماں رہ جاتا ہے، جیسے ارسل محمود کو بنا مانگے زائنہ ناصر کا ساتھ مل رہا تھا اور ادیان سکندر جس نے صرف چاہا ہی زائنہ ناصر کا ساتھ تھا، کبھی کسی اور کی جانب دیکھنا تک اس نے خیانت سمجھا وہ آج بالکل خالی ہاتھ، خالی دل رہ گیا تھا۔ کیا قسمت پائی ہے تم نے ادیان سکندر۔۔۔''

وہ تلخی سے خود پر مسکراتا تایا جی کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

وہ کرسی پر بیٹھا اپنے ہاتھ میں پکڑی پھولوں کی مالا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا اس کی پتی پتی نوچ کر بکھیر دے جیسے اس کے خواب بکھرے تھے، جیسے زائنہ کے کسی اور کے ہو جانے کا خیال اس کا دل نوچتا تھا، اسے اذیت میں مبتلا کرتا تھا مگر وہ بس خاموشی و بے بسی سے وہ کھیل دیکھ رہا تھا جو قسمت اس کے ساتھ کھیل رہی تھی، اس کا دل لحہ بہ لحہ کسی گہری اندھیری کھائی میں گر رہا تھا!

'' اللہ جی! میرے دل کو قرار دے دے۔۔۔۔'' اس نے بے اختیار ربّ کو پکارا تھا، تبھی بارات کی آمد کا شور اُٹھا تھا۔ تایا جی نے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ تھکے تھکے قدموں سے ان کے پیچھے بارات کا استقبال کرنے میرج ہال کے داخلی دروازے پر آ گیا، آج اس نے پہلی بار ارسل محمود کو دیکھا تھا، اُسے دیکھتے ہی رقابت کی آگ اس کے رگ و پے میں بھڑکی تھی۔ اسے دیکھتے ہی ایک جلن کا احساس تھا جو کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ اس نے بڑے ضبط سے ارسل محمود کے گلے میں پھولوں کی مالا ڈالی تھی اور پھر وہ بڑی شان سے سب کے ہمراہ چلتا اسٹیج پر جا بیٹھا جبکہ ادیان سکندر کا دل مچل اُٹھا تھا۔

'' کاش آج اس جگہ وہ بیٹھا ہوتا جہاں اس وقت ارسل محمود پوری شان سے براجمان تھا۔'' وہ مڑ کر ہال سے باہر نکلنے لگا تھا کہ باہر سے اندر آتے تایا جی نے اسے روک لیا۔

’’ آجاؤادیان۔ قاضی صاحب آ گئے ہیں۔۔۔‘‘ اور وہ بے بسی سے اُنہیں دیکھ کر رہ گیا۔ اب تک وہ جس ہمت سے کام لے رہا تھا وہ ہمت اب ٹوٹنے کو ہو رہی تھی، اس کا دل کر رہا تھا وہ ہر چیز تہس نہس کر دے

’’ ارسل محمود ولد محمود بابر آپ کو یہ نکاح زائنہ ناصر ولد ناصر ذولفقار بالعوض ایک لاکھ روپے سکہ رائج الوقت کے تحت قبول ہے؟‘‘ نکاح کے لیے سب اسٹیج کے آس پاس جمع تھے مگر کچھ دیر پہلے والا شور اس وقت بالکل خاموشی میں تبدیل ہو چکا ہوا تھا، مولوی صاحب پوچھ رہے تھے، اس کی گرفت صوفے پر سخت ہو گئی۔ عین اُسی وقت موبائیل کی تیز آواز پر یکدم ہلچل ہوئی تھی کیونکہ ارسل محمود جیب سے موبائیل نکال کر کان سے لگاتے اُٹھ کر سائیڈ پر جا کھڑا ہوا تھا۔ ہال میں موجود تقریباً ہر شخص کو یہ بات ناگوار گزری تھی کہ وہ کیسے اتنی اہم گھڑی کے دوران اتنے آرام سے اُٹھ گیا تھا۔ اگر کال امپورٹنٹ تھی تب بھی وہ دو منٹ تو رُک ہی سکتا تھا۔ ناصر صاحب کو بھی شاید یہ حرکت ناگوار گزری تھی مگر اُنہوں نے اس کا اظہار کرنے سے احتراز ہی کیا تھا۔

ارسل واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ اس وقت اُس کے چہرے پر الگ ہی چمک تھی، محمود صاحب نے بڑے غور سے اپنے سپوت کو دیکھا تھا۔۔۔ اس کے بیٹھتے ہی مولوی صاحب نے اپنے الفاظ دہرائے

’’ ارسل محمود ولد محمود بابر آپ کو یہ نکاح زائنہ ناصر ولد ناصر ذولفقار بالعوض ایک لاکھ روپے سکہ رائج الوقت کے تحت قبول ہے؟‘‘ اور ادیان سکندر کی سماعتیں ڈوبنے لگی تھیں۔

’’ نہیں۔۔۔‘‘ اور پوری محفل کو سانپ سونگھ گیا تھا، اس نے ایک جھٹکے سے سر اُٹھا کر ارسل کو دیکھا تھا۔ وہ بالکل مطمئن بیٹھا تھا جبکہ ناصر صاحب ساکت رہ گئے تھے، محمود صاحب کے چہرے پہ چھائے تاثرات سمجھ سے باہر تھے۔

’’ یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹا۔۔۔‘‘ ناصر صاحب ہی سنبھل کر بولے تھے

’’ معذرت کے ساتھ انکل مگر میں آپ کی بیٹی سے کبھی شادی کرنا ہی نہیں چاہتا تھا۔‘‘ اس نے اپنے سر سے کلہ اُتار کر ٹیبل پر رکھ دیا۔

’’ یہ۔ یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔؟؟‘‘ ناصر صاحب یکدم اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے تھے، ارسل اور محمود صاحب کھڑے ہو گئے جبکہ ادیان حیرت سے ارسل کو دیکھ رہا تھا۔

”کچھ نہیں کہہ رہا ناصر۔۔۔ ریلیکس۔ مولوی صاحب آپ بسم اللہ کریں اینڈ یو۔ شٹ اپ اینڈ سِٹ ڈاؤن (and you_Shut up and sit down)“ محمود صاحب نے گھبرا کر ناصر صاحب سے بات آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوشش کی اور آخر میں دانت پیستے ہوئے اپنے بیٹے کو کہا۔

”نو ڈیڈ۔ ناؤ اِٹس اوور (no dad_now its over)۔۔۔ ۔اب اس سارے ڈرامے کو ختم ہو جانا چاہیے۔“ وہ لوگ جو محمود صاحب کے کہنے پر بیٹھنے لگے تھے ارسل محمود کی بات پر اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ وہ ناصر صاحب کی جانب متوجہ ہو گئے۔

”انکل اس شادی میں میری رضامندی پہلے دن سے ہی شامل نہیں تھی، مجھے یہ شادی کرنی ہی نہیں تھی اور آئیم سوری میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔“ اس کی بات پر ناصر صاحب بھڑک اُٹھے تھے۔

”رضامند نہیں تھے تو یہ جواب تک ہو رہا تھا، ساری رسمیں۔ سب رواج، وہ سب کیا تھے اور اب انکار کرنے کا کیا مقصد ہے؟“ وہ دھاڑے تھے۔

”وہ سب میری نہیں ڈیڈ کی مرضی سے ہو رہا تھا حالانکہ وہ شروع سے جانتے تھے کہ میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا بلکہ کر ہی نہیں سکتا کیوں کہ میں شادی شدہ ہوں۔“ ارسل نے جیسے سب کے سروں پہ بم پھوڑا تھا، تایا جی سر تھام کر گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھے تھے، ادیان تیزی سے ان کی طرف بڑھا تھا۔ برائیڈل روم میں بھی شاید خبر پہنچ گئی تھی۔ ربیعہ بیگم اور عظمیٰ بیگم بھی وہیں آ گئی تھیں جبکہ محمود صاحب چور بنے کھڑے تھے۔

”اگر شادی شدہ تھے تو یہ سارا تماشہ کیوں رچایا تھا میاں۔؟؟“ محفل میں سے ایک بڑے میاں بولے تھے۔

”میں یہ سارا تماشہ نہیں چاہتا تھا، پر مجبوراً اس کا حصہ بننا پڑا۔ ڈیڈ نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے یہ شادی نہ کی تو وہ مجھے جائیداد سے بے دخل کر دیں گے۔ حالانکہ میری شادی کو تین سال ہو چکے ہیں، ایک بیٹا ہے میرا مگر ڈیڈ اس لیے مخالفت کر رہے ہیں کہ وہ شادی میں نے مام کی بھتیجی سے کی ہے جبکہ ڈیڈ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتے اور مام کی ڈیتھ کے بعد ڈیڈ میرا وہاں جانا بھی پسند نہیں کرتے تھے اس لیے میں نے ڈیڈ سے چھپ کر ہادیہ سے شادی کر لی مگر اب ڈیڈ کو معلوم ہوا تو وہ مجھے آفیشل ورک کے بہانے پاکستان لے آئے اور یہاں آ کر

یہ سب۔۔۔۔۔ میں نے اپنے ایک دوست کو بھی پاکستان بلوالیا، مدد کے لیے، میں ڈیڈ کے پراپرٹی پیپرز ڈھونڈ کر اُن میں اپنے حساب سے تبدیلیاں کروانے کے بعد دھوکے سے اُن پر دستخط کروا کر ساری پراپرٹی اپنے نام کروانا چاہتا تھا۔ وہ پیپرز میرے دوست کو ابھی ملے تو اس نے کال کی تب مجھے پتا لگا کہ ڈیڈ تو پہلے ہی سب پراپرٹی میرے نام کر چکے ہیں۔۔۔ اس لیے میں نے شادی سے انکار کر دیا۔۔۔'' اس کی تفصیل کی یہاں کسی کو ضرورت نہیں تھی مگر وہ پھر بھی بولے جا رہا تھا۔ ہال میں اس وقت بالکل سناٹا چھا گیا تھا حتیٰ کہ کچھ دیر پہلے ہونے والی چہ مگوئیاں بھی بند ہو چکی تھیں۔

''اور اگر تمہیں وہ پیپرز نہ ملتے یا ملتے لیکن پراپرٹی تمہارے نام نہ ہوتی تو۔۔۔؟؟'' دفعتاً اس خاموشی میں ادیان کی سرد آواز گونجی تھی، سب ہی نے نہایت چونک کر اس کی طرف دیکھا، ناصر صاحب بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگے جو سامنے ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے پاؤں کے پنجوں کے بل بیٹھا تھا، نظریں ان کے گھٹنوں پہ رکھے دونوں ہاتھوں پر جمی تھیں۔ بھلا ایسا سوال کیا معنی رکھتا تھا، اس کے چہرے کے تاثرات ناقابلِ فہم تھے۔

''تو پھر ظاہر ہے مجھے یہ شادی کرنی پڑتی کچھ عرصہ کے لیے۔۔۔'' اور ادیان کے ضبط کی انتہا یہیں تک تھی، ہاں وہ اس شادی سے خوش نہیں تھا، زائنہ کسی اور کی ہونے جا رہی تھی وہ سہن نہیں کر پا رہا تھا مگر وہ ہرگز بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ یوں اس کی شادی ٹوٹ جائے۔ اگلے ہی پل ارسل محمود کے چہرے پر لگنے والا مکا اس کے چودہ طبق روشن کر گیا۔ وہ اُلٹ کر پیچھے صوفے پر گرا تھا، ہر شخص اپنی جگہ دنگ رہ گیا۔ ادیان کے اچانک ایسے ردِعمل کی اُمید کسی کو بھی نہ تھی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی ذلیل انسان۔۔۔ اس کی زندگی تمہارے لیے کھیل تھی جو تم کاغذ کے کچھ ٹکڑوں کے لیے اُس سے کھیلنے چلے تھے۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔'' وہ دونوں گتھم گتھا ہوئے بُری طرح ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے، ادیان جنونی سا ہو رہا تھا۔

''ادیان۔۔۔'' تایا جی اِن دونوں کو چھڑوانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہے تھے، محمود صاحب اور دوسرے کئی مرد حضرات انہیں کھینچ کھینچ کر دور کرنے کی کوشش کرتے لیکن ادیان تو اس وقت کسی کے قابو ہی نہ آ رہا تھا۔ ربیعہ بیگم اور عظمیٰ بیگم اس ساری صورتِ حال سے بُری طرح چکرا گئی تھیں جبکہ عاصم اور ذیشان میں سے کوئی

ادیان کو روکنے کی کوشش نہ کر رہا تھا، ان دونوں کو ہی بے تحاشا غصہ آیا تھا۔ ادیان کے پیچھے وہ دونوں بھی ارسل کو سبق سکھانے آگے بڑھے تھے مگر ربیعہ بیگم نے دونوں کو جھڑک کر پیچھے کیا تھا۔

"نہیں تایا جی۔ مجھے نہیں روکیں۔۔۔ میں اس کو نہیں چھوڑوں گا، پیسوں کے لیے اس نے زائنہ کی زندگی کو کھیل بنا دیا ہے۔۔۔ میں مار ڈالوں گا اسے۔۔۔" تایا جی سے اپنا بازو چھڑواتے اس نے ایک بار پھر اس پر گھونسوں کی برسات کر دی تو اب کے تایا جی نے اپنی پوری طاقت سے اسے پیچھے ہٹا کر صوفے پر دھکیلا تھا۔

"بس۔۔۔ خبردار اگر ہلے یہاں سے تو۔۔۔۔" اسے دوبارہ اُٹھ کر ارسل جو اس وقت بڑی بُری حالت میں محمود بابر کے سہارے کھڑا اسے گالیاں دے رہا تھا کی طرف لپکتا دیکھ کر انہوں نے اسے ایک بار پھر صوفے پر دھکا دیتے ہوئے وارن کیا تھا۔

"پر تایا جی۔۔۔"

"میں نے کہا نا بس۔۔۔" اس نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے بیچ میں ہی ٹوک دیا، وہ تلملاتا وہیں بیٹھ گیا، ناصر صاحب کی اپنی حالت غیر ہو رہی تھی مگر وہ ضبط کا مظاہرہ کرتے وہاں کھڑے تھے، ان کی بیٹی کے ساتھ یہ کیا ہو رہا تھا، یہ کیا کھیل کھیل رہی تھی قدرت ان کے اور ان کی بیٹی کے ساتھ۔۔۔ ان کے سینے میں درد اُٹھ رہا تھا۔

"تم نے دوست ہو کر مجھے اتنا بڑا دھوکا دیا محمود۔۔۔۔ میں نے آنکھیں بند کر کے تم پہ بھروسہ کیا، تمہارے محض ایک بار کہنے پر اپنی بیٹی تمہیں سونپ رہا تھا حالانکہ میرے گھر والے اس شادی سے خوش نہیں تھے مگر مجھے یقین تھا کہ میری بیٹی تمہارے گھر بہت خوش رہے گی تو بعد میں اُسے خوش دیکھ کر سب مطمئن ہو جائیں گے مگر تم۔۔۔ تم تو اس قدر خود غرض نکلے کہ یہ سارا کھیل کھیلتے تمہیں ایک بار بھی میری بیٹی کی خوشیوں کی پرواہ نہیں ہوئی، ارے تم نے تو دوستی جیسے پاک رشتے کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔۔۔۔" ناصر صاحب نہایت کرب سے بول رہے تھے جبکہ محمود صاحب سر جھکائے پشیمان سے کھڑے تھے۔

"اوہ کم آن انکل۔۔۔ دنیا میں کتنی ہی شادیاں ہوتی ہیں، ڈائیورس ہوتے ہیں۔۔۔ اس میں اتنی بڑی بات کیا ہے اور پھر یہاں شادی ہوئی تو نہیں نا تو اب اتنا اوور ری ایکٹ کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" ارسل

لاپرواہی سے بولا۔

''اوہ یو۔۔۔'' اس کی بات پر ادیان ایک بار پھر اسے مارنے اُٹھا تو ناصر صاحب بیچ میں آ گئے۔

''میں نے منع کیا ہے نا تمہیں۔۔۔'' ناصر صاحب کی آواز میں تکلیف کی شدت تھی

''تایا جی آپ ٹھیک تو ہیں۔'' اس کا دھیان اچانک ہی ان کے چہرے پر گیا تھا جو انتہائی سرخ ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی تکلیف برداشت کر رہے ہوں۔

''مجھے معاف کر دو ناصر۔ میں واقعی بہت خود غرض ہو گیا تھا۔۔۔ میں نے اپنی ضد میں زائنہ بیٹی کی خوشیاں داؤ پر لگا دیں مگر یقین کرو مجھے نہیں پتہ تھا کہ میرا بیٹا جائیداد کے لیے ایسا کھیل کھیل رہا ہوگا، میں نہیں جانتا تھا کہ یہ اس حد تک پیسوں کے لیے گر جائے گا کہ کسی کی پوری زندگی کی خوشیاں داؤ پر لگانے سے بھی گریز نہیں کرے گا، اپنے باپ کو دھوکا دیتے اسے شرم نہیں آئے گی۔ میں تو سمجھ رہا تھا۔۔۔ خیر غلطی صرف اس کی نہیں میری بھی ہے، بلکہ میری غلطی زیادہ بڑی ہے، مجھے تقدیر کے لکھے کو مان لینا چاہیے تھا مگر بجائے اس کے میں نے اپنے عزیز دوست کو ہی دھوکہ دیا اور آج اپنی غلطی کی وجہ سے ایک بہترین دوست کھو دیا ہے۔ ہو سکے تو پلیز مجھے معاف کر دینا۔'' انہوں نے ناصر صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تو انہوں نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے رُخ موڑ لیا

ربیعہ بیگ، عظمیٰ بیگم، عاصم، ذیشان اور ہبہ جو ابھی برائیڈل روم سے آئی تھی اپنی امی اور چچی کو دیکھنے باہر آئی تھی اور ساری صورتحال جان کر دنگ رہ گئی تھی اب ناصر صاحب کی حالت دیکھتے وہ سب ہی ان کے قریب آ گئے تھے۔ اندر زائنہ کی موجودگی کی وجہ سے کچھ نہ بتایا گیا تھا۔ بس عاصم جا کر ربیعہ بیگم اور عظمیٰ بیگم کو باہر لے آیا تھا اس لیے زائنہ اب تک انجان ہی تھی۔ بارات کے ساتھ آئے مہمان واپس جانے لگے تو لوگوں میں طرح طرح کی چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں، ہر کوئی اپنے اپنے لفظوں میں افسوس کر رہا تھا۔ ادیان نے ناصر صاحب کو بٹھا کر پانی دیا، اُسے ان کی حالت ٹھیک نہ لگ رہی تھی

''بیچارے ناصر صاحب۔ کتنے خوش تھے اور پل میں کیا ہو گیا ان کے ساتھ۔'' ایک جانب کھڑی تین عورتوں میں سے ایک افسوس سے سر ہلاتی بولی تھی۔

''بیٹی کا گھر تو بسنے سے پہلے ہی اُجڑ گیا۔'' دوسری بھی دکھی آواز میں بولی تھی۔
''ارے میں تو سوچ رہی ہوں عین شادی کے دن شادی ٹوٹ گئی، بارات آ کر پلٹ گئی ہے اب کون کرے گا ایسی لڑکی سے شادی۔ کوئی چھوٹی بات تو نہیں نا کہ بارات آ کر لوٹ گئی ہے۔'' تیسری خاصی تیز طرار لگتی تھی۔
''لیکن بہن ہم سبھی نے دیکھا ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ بھلا اس میں لڑکی یا اس کے گھر والوں کی کیا غلطی ہے، وہ لوگ تو خود پریشان ہیں۔'' پہلی خاتون نے کہا
''ویسے بات ان کی بھی غلط نہیں ہے۔۔۔ لوگ یہ نہیں دیکھتے غلطی کس کی ہے کس کی نہیں۔ اس طرح بارات کا پلٹ جانا ہی لڑکی کے لیے گالی بنا دیا جاتا ہے، میری اپنی نند کی بڑی بیٹی آج تک ماں باپ کے گھر بیٹھی ہے کہ بارات صرف اس لیے پلٹ گئی تھی کہ میرے نندوئی گاڑی نہ دے سکے تھے پر اس کے بعد جو بھی رشتہ آتا پلٹ جا یہ سن کر کہ بارات دروازے سے واپس لوٹ گئی تھی، اب وہ چالیس کی ہو رہی ہے۔ بھائی صاحب تو فوت ہو گئے ہیں، نند بیچاری دیکھ دیکھ کر روتی رہتی ہے اور بھائی بھابیاں گھر میں برداشت نہیں کرتے۔۔۔ بڑا ترس آتا ہے بیچاری پہ۔'' دوسری خاتون نے آخر میں افسوس کیا، باقی لوگ بھی اسی قسم کی چہ مگوئیاں کر رہے تھے مگر ان کی باتیں کسی پہ کیا اثر کر رہی ہیں انہیں احساس تک نہ تھا یا شاید وہ احساس کرنا چاہتے ہی نہ تھے
''ادیان انہیں ہسپتال لے جاؤ۔۔۔ مجھے ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' ربیعہ بیگم انہیں دیکھتے ہوئے بولیں جو اپنا بائیاں بازو مسل رہے تھے۔
''میری جلد بازی نے میری بیٹی کی ساری عمر کی خوشیاں داؤ پر لگا دی ہیں۔ میں تو اس کے سامنے سر اُٹھانے کے قابل بھی نہیں رہا۔'' وہ کی آواز میں کرب تھا
''آپ مت سوچیں یہ سب۔۔۔ خدا کا شکر کریں کہ ہماری بچی ایسے لوگوں سے محفوظ رہی ہے۔'' ربیعہ بیگم فوراً بولیں۔
''میں اچھا دوست بنتے بنتے اچھا باپ بننا بھول گیا۔ میری بیٹی کا مستقبل داؤ پر لگا دیا میں نے دوستی نبھاتے نبھاتے۔۔۔ میں اچھا باپ نہیں بن پایا، میں اچھا باپ نہیں بن پایا۔۔۔'' وہ بار بار یہی دوہراتے تکلیف کی شدت سے دوہرے ہو رہے تھے۔

”عاصم جلدی سے میرے پرس میں سے اپنے ابو کی اینالجیسک کی دوا لا کر دو۔۔۔“

”یہ لیں۔ یہ دوا کھا لیں جلدی سے۔۔۔“ عاصم دوا لایا تو انہوں نے جلدی سے ایک گولی نکال کر ان کی طرف بڑھائی مگر وہ تو جیسے کسی کو سُن رہے تھے نہ دیکھ رہے تھے، بس بڑبڑاتے جا رہے تھے۔

”میں نے اپنی بیٹی کی خوشیاں چھین لیں۔ اس کا گھر بسنے سے پہلے اُجڑ گیا صرف میری وجہ سے۔۔۔ میں نے اپنی بیٹی کے لیے خود دکھوں کا گڑھا کھود دیا جس میں میری وجہ سے شاید اسے ساری زندگی رہنا پڑے گا۔۔۔!“ وہ بولتے جا رہے تھے، تکلیف ان کے چہرے سے مترشح تھی۔

”اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ بھائی صاحب۔۔۔ خُدا اسے ڈھیروں خوشیاں نصیب کرے، اس کی قسمت اچھی کرے۔۔۔“ عظمیٰ بیگم دہل کر بولیں پھر انہوں نے ادیان کو دیکھا۔ اس کا چہرہ غصے اور دکھ کا ملا جلا تاثر لیے ہوئے تھا جبکہ آنکھوں میں اب تک چنگاریاں جل رہی تھیں۔ وہ زانیہ کے دور چلے جانے کے خیال سے کیسے ٹوٹ رہا تھا۔ ہونا تو اس وقت یہ چاہیے تھا کہ وہ بے تحاشہ خوش ہوتا یہ شادی ٹوٹ جانے پہ مگر وہ خوش نہیں تھا، بالکل بھی خوش نہیں تھا۔ اس کو یاد تھا تو صرف یہ کہ زانیہ کی زندگی کو کھیل بنایا گیا ہے، اسے اپنے دکھ کی پرواہ تک نہ تھی اس وقت، پراوہ تھی تو بس اس بات کی کہ زانیہ کو کسی نے کتنا بے وقعت کیا ہے۔

”یہ اس کی دیوانگی کا کون سا مقام ہے۔“ عظمیٰ بیگم اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھیں جو ناصر صاحب کے انکار کے باوجود انہیں دوا کھلا رہا تھا، عظمیٰ بیگم ایک فیصلہ کُن نظر اپنے بیٹے پر ڈالنے کے بعد بنا کسی کو مخاطب کیے بولیں تھیں۔

”زانیہ کی شادی آج ہی ہوگی اور یہیں۔۔۔“ ادیان نے بے یقینی سے جبکہ باقی سب نے ان کی اس عجیب و غریب بات پہ نا سمجھی سے انہیں دیکھا تھا۔ ہبہ ایک پل کی حیرانگی کے بعد اب بات سمجھ کر جیسے مطمئن ہو گئی تھی۔

”کیا مطلب ہے عظمیٰ۔۔۔ تم کیا کہہ رہ ہو؟“ ربیعہ بیگم ان کی بات کا مفہوم سمجھنے میں ناکام تھیں۔

”زانیہ کی شادی ابھی ہوگی۔ ادیان سے۔“ انہوں نے اب بات مکمل کی تھی۔

’دھڑ دھڑ دھڑ‘ سب کے سروں پہ دھماکہ ہوا تھا گویا۔ سب ہی حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن تھے، شاید انہوں نے کچھ غلط سُنا تھا۔ ربیعہ بیگم، ناصر صاحب، عاصم اور ذیشان ہر کوئی اپنی اپنی جگہ بُت بنا ہوا تھا۔ ناصر

صاحب ہی سب سے پہلے حوش میں آئے تھے

"یہ۔۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو عظمیٰ۔۔۔ تم ہوش میں تو ہو۔" وہ بمشکل ہی کچھ بولنے کے قابل ہوئے تھے۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں بھائی صاحب، ادیان آپ کے سامنے بڑا ہوا ہے، آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اسے اور میری خواہش تھی کہ زائنہ میری بہو بنے مگر سب کچھ اتنی اچانک ہو گیا کہ پھر مجھے کہنا مناسب ہی نہ لگا لیکن اب آپ زائنہ کا ہاتھ ادیان کے ہاتھ میں دیتے ہیں تو یہ میری اور میرے بیٹے کی خوش قسمتی ہوگی۔"

ادیان سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس کا دماغ اس وقت کچھ نہ سوچ پا رہا تھا نہ کوئی ردِعمل ظاہر کر پا رہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو عظمیٰ۔۔۔ ادیان اور زائنہ کی عمروں میں کتنا فرق ہے۔ جیسے زائنہ میری اولاد ہے ویسا ہی میرے لیے ادیان ہے، میں نے ادیان کو کبھی ہبہ، زائنہ یا عاصم سے کم نہیں سمجھا۔ میں اپنی ایک اولاد کی خوشی کے لیے دوسری اولاد کی خوشیوں کا سودا نہیں کر سکتا، یہ سراسر ناانصافی ہوگی بچے کے ساتھ۔" اب کی بار ناصر صاحب سخت لہجے میں بولے تھے۔

"بھائی صاحب عمروں کا فرق اتنا زیادہ بھی نہیں ہے کہ یہ شادی نہ ہو سکے، پھر اگر دیکھا جائے تو زائنہ ادیان سے بڑی تو کیا اس کے ہم عمر بھی نہیں لگتی۔ ادیان ہی بڑا لگتا ہے اور سب سے بڑی بات۔ ادیان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہو رہی بلکہ اگر آپ ہاں کریں گے تو ادیان کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی دیں گے۔" ان کی آخری بات پہ ناصر صاحب اور ربیعہ بیگم نے نہایت چونک کر انہیں دیکھا تھا

"ادیان شروع سے ہی زائنہ کو پسند کرتا ہے اور جب مجھے اس بات کا علم ہوا اس کے بعد ہی میری خواہش تھی کہ زائنہ میری بہو بنے۔" ان کی حیران سوالیہ نظروں کے جواب میں عظمیٰ بیگم نے کہا تو دونوں میاں بیوی کی نظریں ایک ساتھ ادیان کی جانب اُٹھی تھیں۔ وہ اب تک یونہی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"ہاں ابو۔۔۔ ادیان سے زیادہ ہماری زائنہ کو کوئی خوش نہیں رکھ سکتا۔ ادیان کی خوشی زائنہ میں ہے، وہ صرف اس لیے خاموش ہو گیا تھا کہ جانتا تھا آپ کے لیے کسی کو زبان دینے کی کیا اہمیت ہے۔۔۔ پلیز ابو، اجازت دے دیجیے۔

"پر دونوں بچوں کی عمریں۔۔۔" ناصر صاحب اب بھی پس وپیش کا شکار تھے۔

''مان جائیے جی۔۔۔ادیان سے اچھا ہمسفر زائنہ کے لیے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' ربیعہ بیگم کو تو یوں بھی ادیان بہت عزیز تھا اور اگر وہ ایسا چاہتا تھا تو ان کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

''مگر۔۔۔''

''اگر مگر کی اب کوئی گنجائش نہیں ہے بھائی صاحب۔۔۔زائنہ میری بہو بنے گی بس۔ بنے گی نا؟'' ان کی کسی بھی بات سے پہلے عظمٰی بیگم بول پڑیں اور آخر میں انہوں نے بڑی آس سے ان سے پوچھا تھا، انہوں نے نظر اُٹھا کر باقی سب کے چہرے دیکھے۔ سب ہی رضامند لگ رہے تھے۔ انہوں نے نظریں گھما کر اپنے برابر بیٹھے ادیان کو دیکھا، وہ ہنوز اسی طرح بیٹھا تھا، ان کے دل میں تھوڑا ڈر تھا مگر سب کی خواہش کے آگے انہیں سرینڈر کرنا ہی پڑا اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ نکاح کے بعد حیران پریشان سی ادیان سکندر کے برابر بیٹھی تھی۔ مسز ادیان سکندر۔ یہ سب کیا ہوا تھا۔ کیوں ہوا تھا۔ اس کی شادی تو ارسل محمود سے ہونے والی تھی پھر ادیان۔ ادیان کیسے اس جگہ آ گیا تھا، وہ تو بھائی تھا اس کا۔۔۔ یہ کیسے رشتے میں باندھ دیا تھا اسے، جسکا کوئی جوڑ ہی نہ تھا۔ کیسی بے جوڑ شادی تھی یہ۔۔۔ ہوا کیا تھا آخر۔۔۔!! وہ جیسے جیسے سوچتی جا رہی تھی مزید چکراتی جا رہی تھی۔

''بڑی عظیم خاتون ہیں آپ۔۔۔ یوں لڑکی کی بارات لوٹ جائے تو لوگ عرصہ گزرنے کے بعد بھی سُن کر ایسی جگہ رشتہ نہیں کرتے جبکہ آپ نے تو سب دیکھ کر بھی اپنے بیٹے کے لیے مانگ لیا اور وہ بھی بیٹے سے بڑی عمر کی لڑکی کو۔ بیٹا بھی بڑا سعادت مند ہے ماشاءاللہ۔۔۔'' ایک خاتون اسٹیج کے قریب ہی دائیں جانب کھڑی عظمٰی بیگم کو کہہ رہی تھیں اور ان کی باتیں زائنہ کے اندر کسی نیزے کی انی کی طرح پیوست ہوئی تھیں جبکہ عظمٰی بیگم کا ماتھا ان کی باتوں پہ شکن آلود ہو گیا تھا۔

''عظیم ہونے والی کون سی بات ہے۔۔۔ میں اور میرا بیٹا تو بڑے خوش نصیب ہیں جو اتنی پیاری اور نیک گڑیا میرے بیٹے کی ہمسفر بنی ہے، اب ہیرا ہر ایک کی قسمت میں تو نہیں ہوتا، اور عمروں کی بات ہے جہاں تک تو عمروں میں کوئی اتنا فرق نہیں ہے بلکہ میری بہو میرے بیٹے سے چھوٹی ہی لگتی ہے اور اسلام میں بھی ایسی کوئی بات نہیں کہ ہم اسے اتنی اہمیت دیں۔ میرے اور میرے بیٹے کے لیے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔'' کوشش کے باوجود ان کا لہجہ تھوڑا تیکھا ہو گیا تھا۔

"جی جی۔۔۔صحیح کہا آپ نے۔" وہ خاتون اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھی جبکہ دوسری طرف زائنہ کا دماغ متضاد سوچوں میں گھرا ہوا تھا۔

"بارات لوٹ گئی۔کیوں؟ کیا ہوا تھا آخر،اسے کیوں کچھ نہیں بتایا گیا اور ادیان۔۔۔وہ کیوں تیار ہوا ان سب کے لیے۔۔۔" اس نے ذرا سا چہرہ موڑ کر اپنے ساتھ بیٹھے ادیان کو دیکھا۔۔۔سفید شلوار اور بلیک کرتے پہ گرے واسکٹ پہنے خاموش بیٹھا ذرا سا آگے کی جانب جُھکا اپنے دونوں ہاتھوں کو بلا کر بنائی مٹھی کو گھور رہا تھا۔"مطلب ادیان نے چچی کے کہنے پر مجبوراً یہ شادی کی ہے، مجھ پر ترس کھا کر۔"

اس نے نظریں دوبارہ اپنے پرس پر ٹکاتے ہوئے سوچا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے ساتھ بیٹھا وہ بندہ کیسے بے یقینی کی کیفیت میں ڈول رہا تھا۔

"کیا یہ سب سچ تھا۔حقیقت یا کوئی خواب، کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ابھی جاگے گا اور یہ خوبصورت خواب ٹوٹ جائے گا۔۔۔کیا زائنہ واقع اس کی ہو گئی تھی،اس کے نام سے جڑ کر اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔۔۔کیا وہ اتنا خوش قسمت تھا کہ زائنہ کو اس سے چھینتے چھینتے اسے لوٹا دیا گیا تھا، ہمیشہ کے لیے اسے سونپ دیا گیا تھا۔۔۔کیا سچ میں اس کے دل کی دنیا اُجڑتے اُجڑتے بچ گئی تھی؟؟؟" وہ بے یقینی سے سوچے چلا جا رہا تھا۔ پھر ذرا سی گردن موڑ کر اس نے اسے دیکھا تھا۔وہی جوڑا پہنے لیکن آج سارے ہتھیاروں سے لیس وہ اس کے پہلو میں سج میں بیٹھی تھی، اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ ادیان کے لیے اس پر سے نگاہ ہٹانا مشکل ہو رہا تھا۔وہ جیسے دھیرے دھیرے خواب سے حقیقت کا سفر طے کر رہا تھا، کون کون سی رسمیں ہوئیں اسے ہوش نہیں تھا،اس نے ایک بار پھر زائنہ کو دیکھ کر یقین کرنا چاہتا تھا لیکن تبھی رُخصتی کا شور اُٹھا اور پھر وہ جس گھر سے گئی تھی دوبارہ اسی گھر میں رُخصت ہو کر آ گئی مگر ایک نئی حیثیت، ایک نئے رشتے میں جڑ کر۔۔۔!!

☆......☆......☆

وہ بیڈ پر گلاب کی پتیوں میں گھری بیٹھی تھی، ابھی ابھی ہبہ باجی سب سے آخر میں اُٹھ کر باہر گئی تھیں۔۔۔

کمرہ ویسا تو نہیں سجا ہوا تھا جیسا ایسے موقع پر سجایا جاتا ہے مگر ہبہ باجی، عاصم اور ذیشان سے جلدی جلدی میں جتنا ہو سکا انہوں نے کر دیا تھا۔ ہبہ باجی نے اسے شادی میں تحفے کے طور پر دینے کے لیے ایک بیڈ شیٹ بھی لے

رکھی تھی انہوں نے وہی نکال کر ادیان کے بیڈ پر بچھا دی۔ شادی میں ملنے والے گلدستوں کے پھولوں کی پتیاں عاصم اور ذیشان نے پوری کمرے میں پھیلا دی تھیں اور باقی دو تین گلدستے یونہی رکھ دیے تھے۔

اس نے ہبہ باجی سے جاننے کی بہت کوشش کی تھی کہ آخر ہوا کیا تھا مگر انہوں نے پیار سے اسے ان باتوں کو بھول کر آنے والی زندگی کے بارے میں سوچنے کو کہا تھا اور وہ یہ بات کہتے کہتے چپ ہوگئی تھی کہ آگے کی زندگی کے لیے اس کے پاس سوچنے کو کچھ نہیں ہے۔

وہ اُٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آگئی، ادیان کے کمرے میں آنے سے پہلے وہ ان سب چیزوں سے جان چھڑا لینا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ادیان یہ سوچے کہ میں نے ترس کھا کر اگر شادی کی ہے تو وہ مزید گلے پڑ رہی ہے۔

"آخر کیوں تم نے انکار نہ کر دیا، کیا ضرورت تھی اتنا اچھا بننے کی۔" وہ بے دردی سے چوڑیاں اُتارتے بڑبڑائی تھی، کئی چوڑیاں ٹوٹ چکی تھیں مگر وہ بے نیاز بنی اب کھینچ کر گلے سے ہار اُتار رہی تھی۔

"امّی ابو کیسے مان گئے اس بے جوڑ شادی کے لیے۔۔۔" کان سے ایئر رنگ اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکتے وہ اندر ہی اندر گھٹتے ہوئے ایک بار پھر بڑبڑائی۔

"بہت شوق ہو رہا تھا اتنا تابعدار بننے کا، ساری تابعداری چار دن میں ختم ہو جائے گی۔۔۔ ہنہ" وہ بیگ سے قدرے سادہ سا سوٹ نکال کر باتھ روم میں گھس گئی، امّی نے ہی کپڑوں وغیرہ کے بیگ فوراً ہی کمرے میں رکھوا دیے تھے۔

"سب کی نظروں میں اچھا بن جاؤ چاہے اس کے بدلے زندگی کو مذاق بنا لو" رگڑ رگڑ کر میک اپ صاف کرنے کے بعد باہر آئی تو بڑبڑاہٹ اب تک جاری تھی۔

"یہ کیا مذاق ہوا ہے آج میری زندگی کے ساتھ مولا۔۔۔ کہاں غلطی تھی میں، کیا گناہ تھا جس کی سزا دی ہے تو نے مجھے۔۔۔" الماری کے نچلے خانے سے چادر نکال کر وہ صوفے پہ جا بیٹھی اور پھر سر سے پاؤں تک چادر تان کر لیٹ گئی۔۔۔ نیند کی وادی میں داخل ہونے تک بڑبڑاہٹ اور آنسو جاری رہے تھے۔

☆......☆......☆

''ہیں۔۔۔لڑکے تم اب تک یہیں کھڑے ہو۔۔۔'' کافی دیر بعد ہبہ باجی بھی آرام کرنے کی غرض سے اُوپر آئیں تو اسے اب تک کمرے کے باہر کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ تقریباً بیس پچیس منٹ پہلے وہ اسے خوب تنگ کرنے کے بعد بہت سی دعائیں دے کر یہیں چھوڑ کر گئی تھیں اور اب آئیں تو اسے وہیں کھڑا دیکھ کران کا حیران ہونا بجا تھا۔

''ہبہ باجی یہ واقعی سچ ہے یا میں نیند میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔'' اور اس کے سوال پر ہبہ باجی کا دل چاہا اپنا ماتھا پیٹ لیں

''تم یہ پوچھنے کھڑے ہو ادھر اب تک۔۔۔'' ان کی بات پر وہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

''قسم سے ادیان پُرانی فلموں کی ہیروئنز بھی ایسا نروس نہ ہوتی ہوں گی جیسے تم۔۔۔۔''

''ہاں ہاں اُڑا لیں مذاق، میری یہاں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولا

''ایک تھپڑ لگاؤں نا تو سب سمجھ میں آجائے۔۔۔۔کل تک ناکام عاشقوں کی طرح اس کے ہجر میں دیوانے بنے گھوم رہے تھے اور آج جناب کو سمجھ نہیں آرہا کہ کیا۔۔۔'' وہ جھنجلا کر بولیں۔

''ہاں تو نہیں آرہا نا۔۔۔۔کتنا اچانک اور کس طرح ہوا ہے سب، میں کنفیوژ ہو رہا ہوں اندر جاتے ہوئے۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''ٹھیک ہے پھر میری طرف سے چاہے پوری رات یہاں کھڑے رہ کر اپنا کنفیوژ ہونے کا شوق پورا کرتے رہو۔ میں جا رہی ہوں سونے۔'' وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں جبکہ وہ وہاں کھڑا کچھ دیر سوچتا رہا پھر تھک کر دھیرے سے کمرے کے دروازے کا ہینڈل گھماتا اندر داخل ہو گیا۔

کمرے میں جا بجا پھولوں کی پتیاں بکھری پڑی تھیں، پورا کمرہ دلفریب خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اندر آتے ہی ساری بے یقینی، کنفیوژن جیسے کہیں غائب ہو گئی تھی۔ وہ اس کی ہو چکی تھی۔۔۔دل گواہی دے رہا تھا، ایک طائرانہ نگاہ پھولوں سے سجے کمرے پہ ڈال کر اس نے جو بیڈ کی طرف دیکھا تو اسے جھٹکا سا لگا تھا، اس کے مطابق اسے وہیں ہونا چاہیے تھا۔۔۔ذرا سا سر گھما کر دیکھا تو صوفے پہ چادر میں لپٹے کسی وجود کا احساس ہوا تھا اور ظاہر ہے وہ زائنہ کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ اس نے نا سمجھی سے ایک نظر خالی بیڈ کو دیکھا اور ایک نظر چادر میں

چھپے اس وجود کو۔۔۔اسی کیفیت میں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ بھی آ کر بیڈ پر دراز ہو گیا، اور پھر کروٹ بدل کر کتنی ہی دیر پُر سوچ نظروں سے صوفے کی طرف دیکھتا رہا۔

''یقیناً آج جو ہوا اس کو لے کے اپ سیٹ ہو گی، ڈانٹ وری یار۔۔۔صبح تک نارمل ہو جائے گی۔''

سونے سے پہلے یہ آخری بات تھی جو اس کے ذہن میں آئی تھی اور خود کو یہ تسلی دینے کے بعد وہ مطمئن ہو کر سو گیا تھا۔

☆......☆......☆

صبح اس کی آنکھ کسی ہلکے سے کھٹکے سے کھلی تھی، اس نے موندی موندی آنکھوں سے دیکھا وہ الماری کھولے چادر رکھ رہی تھی، تو گویا وہ آواز الماری کھولنے کی تھی۔ پھر الماری بند کرنے کے بعد وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔۔۔ڈوپٹا چہرے کے گرد لپٹا تھا گویا نماز پڑھ چکی تھی، اس نے گھڑی کی طرف دیکھا، وہاں سوا چھ کا ٹائم تھا۔۔۔۔وہ بیڈ پر اُٹھ بیٹھا۔

''گڈ مارننگ۔'' اس کے بولنے پر وہ بُری طرح چونک گئی تھی۔

''گڈ مارننگ۔'' جواباً وہ اتنی دھیمی آواز میں بولی کہ اگر وہ مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ نہ ہوتا تو اسے پتہ بھی نہ چلتا کہ وہ کچھ بولی بھی ہے۔

''کب اُٹھی؟'' اسے پہلی بار اس سے بات کرنا اتنا مشکل لگا تھا۔

''فجر کے ساتھ ہی۔۔'' وہی دھیمی آواز۔

''مجھے بھی جگا دیتی۔۔'' وہ بولا تو اس نے ایک نظر اسے دیکھ کر دوبارہ نظریں جھکا لیں۔ جواب کوئی نہیں دیا۔

وہ فریش ہو کر آیا وہ تب بھی اُسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔ وہ آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ بالوں میں برش کرتے وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا اور کیسے بات کرے اسی وقت اس نے زائنہ کی آواز سنی۔

''تم نے یہ سب کیوں کیا؟'' بنا اس کی طرف دیکھے وہ پوچھ رہی تھی۔

''کیا سب؟'' اس نے آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو دیکھتے ہوئے پوچھا، وہ واقعی اس کی بات نہیں سمجھا تھا۔

"یہ شا۔۔شادی۔۔" شادی کا لفظ بولنا اسے ذرا عجیب لگا جبکہ ادیان اس کی بات پر چند ثانیے کو تو حیران ہوا پھر بے اختیار ہنس دیا۔

"تابعدار مشرقی لڑکا ہوں۔ جہاں ماں نے کہا، سر جھکا دیا۔" اس نے یونہی ہلکے پھلکے انداز میں مذاق کیا تھا مگر مقابل بھرا بیٹھا ہے اس کا تو اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہ تھا۔

"شٹ اپ ادیان۔۔۔ تمہیں لگتا ہے کہ زندگی مذاق ہے جسے تم یوں چٹکیوں میں اُڑا دو گے۔۔۔" وہ ایک دم ہی بھڑکی تھی، ادیان حیران۔۔

"کیا ہو گیا ہے۔۔" وہ حد درجہ حیران تھا۔

"وہی تو میں تم سے پوچھ رہی ہوں کہ کیا ہو گیا تھا تمہیں۔ کیوں یہ شادی ہونے دی تم نے۔۔۔۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"کیا فضول بات ہے یار۔۔۔ شادی انسان کیوں کرتا ہے۔۔۔ ظاہر ہے گھر بسانے کے لیے۔۔۔" وہ اس کے اس فضول سوال پر سچ میں اُلجھا تھا۔

"فضول بات میں نہیں تم کر رہے ہو کیونکہ یہ تم بھی جانتے ہو کہ ہم دونوں کبھی گھر نہیں بسا سکتے۔۔" وہ دو بدو بولی، ادیان کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"کیا مطلب ہے۔۔۔ کیوں نہیں بسا سکتے گھر۔" وہ بازو سینے پر باندھ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا، اسے حقیقتاً اس کی بات اچھی نہ لگی تھی۔

"اتنے انجان مت بنو تم۔۔۔" وہ اس کے قریب آنے پر جھجک سی گئی۔

"انجان ہوں تو پوچھ رہا ہوں۔۔۔" اس کا لہجہ تھوڑا تیز ہوا، وہ کیسی عجیب باتیں کر رہی تھی۔

"ادیان دماغ مت خراب کرو میرا۔۔۔ تم اچھی طرح جانتے ہو ہماری عمروں میں کتنا فرق ہے۔۔۔ پھر کیا سوچ کر تم نے یہ قدم اُٹھایا، کیوں مانے تم سب کی بات۔۔۔ زندگی چار صفحوں کے افسانے جتنی آسان نہیں ہے جو تم قربانی دے کر بیٹھ گئے ہو اور اُمید رکھتے ہو کہ یہ بھی افسانے کی طرح آسانی سے کٹ جائے گی۔" وہ تپ کر بولی۔

''بس کروزائنہ۔۔۔ کیا عجیب وغریب باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔۔۔ اور ہماری عمروں میں کوئی اتنا فرق نہیں ہے جس کی وجہ سے تم پریشان ہو رہی ہو۔۔۔'' وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اسے صرف عمروں کے فرق کی بات پریشان کر رہی ہے۔ اس نے ملائمت سے سمجھانا چاہا مگر وہ بھڑک کر دوبارہ کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ دروازے پر ہونے والی دستک کی وجہ سے اسے خاموش ہونا پڑا۔ ادیان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا، سامنے ہبہ باجی دانت نکالے کھڑی تھیں۔

''ہٹو بھئی سامنے سے۔۔۔'' اسے یونہی دروازے میں ایستادہ دیکھ کر انہوں نے گھورا تو اس نے فوراً ایک جانب ہو کر انہیں راستہ دیا۔

''کیا حال ہے بھابھی جی۔۔۔'' وہ شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں تو ادیان کے چہرے پہ مسکراہٹ دوڑ گئی جبکہ اس نے ذرا غصے سے ہبہ باجی اور پھر اسے دیکھا تھا۔

''پلیز ہبہ باجی۔۔۔'' اس کے لہجے میں چھپی تلخی دونوں نے ہی بخوبی محسوس کی تھی۔ ہبہ باجی چپ سی ہو گئیں جبکہ وہ ایک نظر اسے دیکھ کر باہر نکل گیا۔

''یہ کپڑے چچی نے بھجوائے ہیں۔۔۔ پہن کر تیار ہو جاؤ پھر ناشتہ کرتے ہیں۔۔۔'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر پھر وقت کا خیال کر کے فی الحال خاموش ہو گئیں۔

''اتنے بھاری کپڑے۔۔۔ پلیز باجی، میں یہ نہیں پہن سکتی۔ ناشتہ ہی کرنا ہے نا، وہ روز ہی کرتی ہوں آج کوئی نیا تو نہیں کر رہی۔'' وہ بات بے بات تلخ ہو رہی تھی آج۔

''روز کی اور آج کی حیثیت میں بہت فرق ہے زائنہ۔۔۔'' ہبہ باجی نے اپنی طرف سے تو اسے سمجھانے کو یہ کہا تھا مگر اس کو لگا جیسے وہ بھی طنز کر رہی ہوں۔

''میں نے کوئی دوسری حیثیت قبول نہیں کی۔۔۔'' وہ سر جھٹک کر بولی۔

''تمہارے کسی بات کو نہ ماننے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی۔۔۔ جو ہے سو ہے۔۔۔ اب پلیز مزید بحث مت کرو اور تیار ہو جاؤ دوسری صورت میں، میں چچی کو بھیج دیتی ہوں انہیں انکار کر دو کیونکہ یہ انہوں نے ہی بھجوائے ہیں۔'' ہبہ باجی نے در پردہ دھمکی دی تو اسے مجبوراً خاموشی سے ان کی بات ماننا پڑی۔

تیار ہو کر جب ہبہ باجی کیساتھ نیچے آئی تو سب ہی ڈائنگ ٹیبل پر انہی کے انتظار میں تھے، سبھی بڑوں نے باری باری پیار اور خوشحال زندگی کی دعاؤں سے نوازا۔ ادیان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا جو شاید جان بوجھ کر اس کے برابر خالی جگہ چھوڑ کر تائی جی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ میجنٹا اور سلور کامبینیشن کا ہلکے پھلکے کام سے مزین سوٹ۔۔ایک ہاتھ میں سونے کے دو کنگن جبکہ دوسرے ہاتھ میں کانچ کی چوڑیاں پہنے۔لائٹ سے میک اپ کے ساتھ وہ بڑی ہی پیاری لگ رہی تھی۔۔۔ادیان آس پاس سے غافل سا ہونے لگا۔

ناشتے کے بعد وہ لوگ وہیں محفل جمائے بیٹھ گئے۔زائنہ ہر ممکن حد تک اسے اگنور کر رہی تھی جبکہ وہ بات کے بہانے تلاش کر رہا تھا۔تایا جی نے ولیمے کا ارجنٹ انتظام گھر کے قریب ہی پلاٹ پر کروا لیا۔۔۔ تایا جی کے ہزار کہنے کے باوجود ولیمے کا سارا خرچ عظمیٰ بیگم نے ہی کیا تھا۔ان کے پاس سکندر صاحب کی بچت اور پھر اس کے بعد پینشن سے ملنے والے پیسے تھے کیونکہ ناصر صاحب نے انہیں وہ پیسے کبھی خرچ کرنے ہی نہ دیے تھے، وہ ہر چھوٹا موٹا خرچ خود اُٹھاتے تھے، یہاں تک کہ زائنہ کے ایکسیڈنٹ کے وقت بھی انہوں نے اسی وجہ سے پیسوں کی پریشانی کی بات انہیں نہ بتائی تھی اور اب جن سے باسانی انہوں نے ولیمے کی ایک شاندار دعوت کا انتظام کر لیا تھا۔

رات میں ولیمہ کا فنکشن بے حد شاندار رہا تھا۔جہاں ایک طرف وہ پنک اور لائٹ براؤن رنگ کی پشواز میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی وہیں گرے سوٹ، بلیک شرٹ اور گرے ٹائی لگائے بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

فنکشن ختم ہوا تو عظمیٰ بیگم نے دونوں کو آرام کی غرض سے ان کے کمرے میں بھیج دیا،اس نے کمرے میں آتے ہی زیور اُتارنا چاہا تو ادیان نے آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ تھام لیا، وہ تو جیسے کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔

''روپ میرے لیے سجایا ہے، مجھے جی بھر کر دیکھ تو لینے دو۔۔'' وہ اس کے کان کا جھمکا ہلکے سے چھو کر بولا۔

''کیا کرتے ہو ادیان۔۔'' وہ جھجک کر پیچھے ہٹی۔

''یار تم بھاگ کیوں رہی ہو۔۔ یہاں آؤ نا'' اس نے کلائی تھام کر اپنی جانب گھسیٹا تو وہ بے توازن ہوتی اس کے سینے سے آ لگی۔

"پلیز ادیان۔۔۔چھوڑو مجھے۔۔۔" اس کا دم گھٹنے لگا۔

"نہیں چھوڑ سکتا نا یار۔۔۔دل کی مراد بر آئی ہے تم پھر چھوڑنے کی بات کرتی ہو" اس کے چہرے پہ جھکتا، وہ ان لمحوں کے جادوئی حصار میں قید ہونے لگا۔

"خدا کا واسطہ ادیان۔۔۔دور رہو مجھ سے۔" اس نے پوری قوت سے دھکا دے کر اسے پیچھے ہٹایا، انداز میں اتنی ناگواری تھی کہ وہ ہکا بکا رہ گیا جبکہ وہ کہہ رہی تھی

"مت چڑھاؤ ایک اور بھار مجھ پر، جتنا چڑھا چکے ہو بہت ہے۔۔۔مزید کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ سمجھے۔" وہ رندھی آواز میں اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر بولی پھر کپڑے اُٹھا کر باتھ روم میں بند ہوگئی جبکہ ادیان وہیں سناٹوں کی زد میں کھڑا اس کی باتوں، اس کے رویے پہ غور کرتا رہ گیا۔

☆......☆......☆

اس روز کے بعد ادیان بھی کچھ خاموش سا ہو گیا، وہ اس دن کے اس کے رویے کی وجہ سوچتے سوچتے تھک گیا تھا مگر اس کی باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں۔ایک دو بار پوچھا بھی تو وہ کوئی نا کوئی طنز کر کے وہاں سے ہٹ جاتی۔ وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اسے ارسل محمود سے شادی ٹوٹنے کا دکھ ہے کیونکہ ہبہ باجی نے باتوں باتوں میں اسے بتایا تھا کہ زائنہ خود بھی ابھی شادی کے لیے تیار نہ تھی اور نہ ہی ارسل محمود سے کبھی اس کی کوئی بات ہوئی تھی۔

عجیب بے کیف سے دن گزر رہے تھے، وہ اس کی ہو کر بھی اس کی نہ ہو سکی تھی۔وہ ذرا بھی اس کے قریب ہونے لگتا وہ بُری طرح اسے رد کر دیتی۔کوئی سامنے ہوتا تو پھر بھی بات کر لیتی تھی مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی یوں اجنبی بن جاتی جیسے کوئی دوسرا وجود اس کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔وہ اسے خود سے صدیوں کے فاصلے پر نظر آتی تھی۔

ہبہ باجی ولیمے کے دوسرے روز ہی واپس چلی گئی تھیں۔اسے بھی آئے تین ہفتے ہو گئے تھے۔ایک ماہ کی چھٹیوں کے بعد اسے واپس جا کر یونیورسٹی جوائن کرنا تھی۔وہ یہ وقت زائنہ کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا مگر وہ تھی کہ دوریاں بڑھاتی ہی چلی جا رہی تھی۔اور ادیان۔۔۔وہ بیچارہ اس کی بے رُخی پر بس دل مسوس کر رہ جاتا۔

☆......☆......☆

اس کے جانے میں دو دن رہ گئے تھے، وہ زائنہ کو بتا دینا چاہتا تھا کہ وہ اس سے کس قدر محبت کرتا ہے۔۔۔

اس اجنبیت کی دیوار کو گرا دینا چاہتا تھا جو شادی کے روز سے اب تک قائم تھی بلکہ زائنہ جیسے اُس دیوار کو روز سے مضبوط تر کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ جو تھوڑی بہت ناراضگی اس کے دل میں تھی وہ بھلا کر وہ ایک بار پھر اس کی طرف بڑھا تھا۔۔۔ جسے اتنی دعاؤں کے بعد پایا ہے اس کے آگے جھکنے میں بھی بھلا کیا حرج ہے۔۔۔ دماغ اکڑ دکھانے لگا تو دل نے فوراً ٹوکا اور وہ دل کی آواز پر لبیک کہتے وہ اس کے پاس چلا آیا۔۔۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔۔ وہ ابھی کچن کے کام ختم کر کے کمرے میں آئی تھی اور اب ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی کنگن اُتار رہی تھی جو وہ تائی ماں اور چچی کی وجہ سے پہنتی تھی۔ شادی کے بعد بھی جب وہ اُسی عام سے حلیے میں پھرتی رہی تو امّی اور چچی دونوں نے ہی ٹوکا، تب سے وہ اُن کی وجہ سے ہلکا پھلکا زیور پہن لیتی تھی مگر جونہی کمرے میں آتی یوں اُن سے جاں چھڑواتی جیسے قیدی زنجیروں سے۔۔

ادیان چند لمحے کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر چلتا ہوا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ زائنہ نے ایک نظر شیشے میں سے اسے دیکھا پھر اُٹھ کر اس کی سائیڈ سے کترا کر نکلنا چاہتی تھی کہ ادیان نے اس کی نازک سی کمر کو بازو کے حصار میں لیتے اسے خود سے قریب کر لیا، وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی

”بس اب ختم کریں یہ بلاوجہ کی ناراضگی۔۔؟؟“ وہ اس کی اُلجھی لٹ چہرے سے ہٹاتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

”کیا بدتمیزی ہے ادیان۔۔۔ چھوڑو مجھے!“ وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔ مگر حصار مضبوط تھا۔

”بدتمیزی کیسی جناب۔۔۔ بیوی ہوتی ہو میری۔۔۔“ وہ شرارت سے بولا۔

”طنز کر رہے ہو۔۔۔ یاد رکھو میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ مجھے بیوی بناؤ لہٰذا مجھ سے طنزیہ گفتگو کرنے کا بھی تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔“ اس نے اپنا آپ چھڑوانے کی پھر ایک ناکام سی کوشش کی۔

”کیسا طنز یار۔۔۔ میں کیوں کرنے لگا طنزیہ گفتگو تم سے۔۔۔“ اس نے حیرانگی سے پوچھ رہا تھا۔

”اتنے بھولے بننے کی کاشش مت کرو۔“ وہ پھنکاری تھی۔

”بھولا تو ہوں نا یار، بھولا بھالا نہ ہوتا تو اس جنگلی بلّی کے جال میں کیسے پھنس جاتا۔“ اس نے تو بات کسی

اور پیرائے میں کی تھی لیکن زائنہ نے اس بات کو اپنے ہی مطلب میں لیا تھا

"تو مت پھنستے اس جال میں، کوئی مجبور بھی نہ کرتا تمہیں، مگر نہیں۔۔۔ تمہیں تو سب کی نظروں میں مہان بننے کا شوق تھا۔۔۔" وہ بھڑکی۔

"یار چھوڑ بھی دو لڑائی۔۔۔ پتہ نہیں کس بات کا غصہ ہے تمہیں۔ نہ کھل کے بتاتی ہو نہ ناراضگی ختم کرتی ہو۔۔۔ چلو شاباش اب مان جاؤ، جو بھی شکوہ ہے بعد میں کر لینا مجھ سے۔۔ٹھیک؟ لیکن ابھی میرے جانے میں صرف دو دن رہ گئے ہیں۔۔ کچھ تو احساس کرو میرا۔۔" اس نے کہتے ہوئے جھک کر اس کی آنکھیں چوم لیں

"آئی لو یو۔۔۔" وہ دھیمے سے، فسوں خیز لہجے میں بولا مگر سامنے والا تو ابھی اس احساس کو سمجھنے سے بالکل قاصر تھا۔ وہ تو اس قدر دیدہ دلیری پہ ساکت سی رہ گئی تھی، وہ ایک بار پھر جھکا مگر اس بار اس نے حواس میں آتے ہی پوری طاقت سے اس کا حصار توڑا تھا اور اس سے دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

"خبردار۔۔۔ خبردار جو آئندہ تم میرے قریب آئے۔۔۔ اور خبردار جو دوبارہ مجھ سے ایسی اوچھی حرکتیں اور باتیں کیں تو۔۔۔" وہ انگلی اُٹھا کر بولی۔

"واٹ۔۔۔ اوچھی حرکتیں۔۔۔ شاید تم یہ بات فراموش کر رہی ہو کہ بیوی ہو تم میری۔۔۔ اس سے زیادہ حق رکھتا ہوں تم پر۔" اس کی بات پر وہ اُچھل ہی تو پڑا تھا۔

"یہ نقاب تمہیں میرے سامنے خود پر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ تم بہت عظیم ہو یہ بات تم ثابت کر چکے ہو، ابھی اور کیا ثابت کرنا باقی ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے تم۔۔ مت لگایا کرو یہ بیوی بیوی کی رٹ، کوئی رشتہ نہیں ہے میرا تم جیسے دوغلے شخص سے جس کے اندر کچھ ہو اور باہر کچھ اور۔"

"شٹ اپ زائنہ۔۔۔ جسٹ شٹ اپ۔۔۔ میں جتنا تحمل کا مظاہرہ کر رہا ہوں تم بڑھتی جا رہی ہو۔۔۔ یہ جس طرح تم مجھے، میری ذات کو بار بار رد کرتی ہو نا اتنی اپنی ذات کی نفی کوئی برداشت نہیں کرتا۔ میں نے ہر کوشش کر لی کہ تم پُرسکون ہو کر اس رشتے کو دل سے اپنا لو۔۔ مگر شاید میری محبت ہی وہ اثر نہیں جو تمہارے دل تک پہنچ سکے۔ تمہیں میری یہاں موجودگی پسند نہیں ہے تو اب میں تب تک اس گھر میں نہیں آؤں گا جب تک تم نہیں چاہو گی۔۔۔ مگر ایک بات میں کہنا چاہتا ہوں۔۔۔" وہ اس کے قریب۔۔۔ بہت قریب آ کھڑا ہوا اور نجانے کیوں

زائنہ اس بار دور نہ جا سکی تھی۔ ادیان نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا۔ وہ یہ بھی نہ جھٹک سکی۔ ''میں بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔۔اس دل میں کوئی ہے تو وہ صرف تم ہو۔۔۔تم جب تک چاہو گی میں انتظار کروں گا تمہارا، تمہارے دل میں اپنی جگہ کے بننے کا۔۔۔بس تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں ہمیشہ۔۔۔۔'' اس نے بڑی نرمی سے اپنی محبت کی مہر اس کی پیشانی پر ثبت کر دی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا جو زائنہ کا دل اس قربت پر ایک انوکھی ہی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔ وہ جا کر کارپٹ پہ ایک جانب کیے اپنے بستر پر دراز ہو چکا تھا۔۔۔وہ صوفے پر لیٹتی تھی تو اس نے کئی بار اسے بیڈ پر سونے کا کہا۔ ایک دو بار خود پہلے صوفے پر لیٹ جاتا تو وہ بیڈ پر لیٹنے کے بجائے ساری رات بیٹھ کر گزار دیتی، تب سے اس نے اپنا بستر نیچے کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ صوفے پر سوتی اور وہ کارپٹ پر۔۔۔

اپنی دھڑکن کو اَن سُنا کرتی وہ بھی صوفے پر آ بیٹھی اور چور نظروں سے اسے دیکھنے لگی جو چت لیٹا چھت پر نظریں ٹکائے کسی گہری سوچ میں تھا۔ اگلے ہی روز وہ چلا گیا تھا اور زائنہ کو لگا اس کا دل خالی خالی سا ہو گیا ہے مگر جو ایک انا کی دیوار تھی وہ اس بات کو قبول کرنے کی اجازت ہی نہ دیتی تھی۔

☆......☆......☆

اسے گئے دو سال ہو چکے تھے، یہاں سے جانے کے بعد تو دو سمسٹرز کے لیے وہ یونیورسٹی کی طرف سے بیرونِ ملک چلا گیا تھا اور اس بار جو سمسٹر بریک آیا تو اس نے یہ کہہ کر گھر والوں کو آفس سے چھٹی نہ ملنے کا بتا کر نہ آنے کی وجہ بتا دی تھی۔ اور یہ صرف ایک بہانہ ہے یہ بات وہ اچھی طرح جانتی تھی۔۔۔چچی نے تو اس سے کبھی کچھ نہ پوچھا تھا، ابو کی اسے صرف نظریں سوال کرتی محسوس ہوتی تھیں، عاصم اور ذیشان الگ اس کو یاد کرتے رہتے، امی اور ہبہ باجی کئی بار دبے دبے لفظوں میں پوچھ چکی تھیں مگر وہ ہمیشہ ٹال جاتی تھی مگر کل انہوں نے اس سے کھل کر پوچھ ہی لیا تھا۔۔۔عاصم کا کی بات کافی سال پہلے ہی ربیعہ بیگم کی چھوٹی بہن کی بیٹی نائمہ سے طے تھی، اب سب بڑوں کی رائے تھی کہ رُخصتی نہیں تو کم از کم اب نکاح ہو جانا چاہیے۔ چچی کچھ بجھی بجھی سی تھیں اور سب ہی جانتے تھے وہ کیوں اداس ہیں۔ ان کے بار بار کہنے کے باوجود ادیان نے نجانے کون کون سے بہانے بنا کر نکاح کی رسم اس کے بغیر ادا کرنے کو کہہ دیا تھا۔۔۔

"امی نئی نئی جاب ہے، کوشش کی ہے پر چھٹی نہیں مل رہی۔آپ جانتی ہیں کتنی مشکل سے اتنی اچھی جاب ملتی ہے اور اب ذمہ داریاں بھی ہیں مجھ پر اگر آتا ہوں تو جاب گنوا دوں گا اور میں ایسا رسک نہیں لے سکتا۔۔۔ پلیز سمجھنے کی کوشش کریں، تایا جی سے میں بات کرلوں گا اور باقی میں پیسے بھیج رہا ہوں۔عاصم اور نائمہ کے لیے بہت اچھا سا تحفہ لے لیجئے گا، میں نے بھی اس کا گفٹ لے لیا ہے۔کل تک انشاءاللہ مل جائے گا آپ کو، اچھا امی رکھتا ہوں، پلیز ناراض نہیں ہونا آپ۔تائی ماں کو بھی میری مجبوری بتا دیجئے گا۔۔۔اللہ حافظ۔" اور اس کے نہ آنے سے سبھی اداس تھے، وہ بھی۔۔۔

ہبہ باجی کو شک تو پہلے ہی تھا پر اب یقین ہونے لگا تھا۔وہ آج اس سے صاف بات کرنے کی ٹھان چکی تھیں اور وہ بھی جیسے اندر ہی اندر کمزور پڑنے لگی تھی ان کے پوچھنے پہ سب کچھ اُنہیں بتاتی چلی گئی اور ہبہ باجی کا دل کیا اس کو اتنی سُنائیں، اتنی سنائیں کہ وہ زندگی بھر نہ بھولے مگر اس کے آنسو دیکھ کر چپ ہو گئیں۔۔۔

اور پھر کچھ توقف کے بعد وہ ہر بات اس کے گوش گزار کرتی چلی گئیں۔اس کے ایکسیڈنٹ کا دن، ادیان کا پیسوں کا انتظام کرنا، اس کی فیلنگز، اسے لیٹر لکھنا، انہیں اور چچی کو پتا لگنا، ارسل محمود سے شادی طے ہونا، ادیان کی حالت، شادی ٹوٹنے اور پھر ادیان سے ہونے کی وجوہات اور ادیان کا دیوانہ پن غرض ایک ایک چیز انہوں نے اسے بتا دی اور وہ۔۔۔وہ تو جیسے ہوا میں معلق ہو گئی تھی۔۔۔کوئی اس کو اتنا چاہتا ہے۔ وہ مغرور ہو کر ہوا میں اُڑے یا اس نے خود اس چاہت کو رسوا کیا ہے اس پچھتاوے کے ساتھ زمین میں دھنس جائے۔۔۔وہ کل سے اسی ادھیڑ بن میں لگی تھی، کتنی کتنی دیر سجدے میں رو رو کر دعائیں کرتی۔جو کچھ وہ اس کے ساتھ کر چکی تھی کہیں ایسا تو نہیں اس نے راستہ بدل لیا ہو۔۔۔آخر وہ بھی انسان ہے۔اس کے بھی جذبات ہیں وہ کسی اور کو۔۔۔نہیں مولا ایسا نہ ہو۔۔۔ایک موقع دے دے یا اللہ مجھے اپنی غلطی سدھارنے کا، صرف ایک موقع پروردگار۔۔۔وہ گڑگڑاتی۔۔!!

☆......☆......☆

شام دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی۔۔۔ہاسٹل کے کمرے میں بیٹھا وہ مسلسل سوچوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ دو سال گزر چکے تھے اسے دیکھے، اس سے بات کیے۔۔۔وہ تو جیسے اپنی زندگی میں اس کی حیثیت، اس کی جگہ

سب بھول چکی تھی۔ کبھی غلطی سے بھی اس نے فون کر کے اس کا حال تک پوچھنے کی زحمت نہ کی تھی۔

"میری محبت ہی میں کھوٹ ہوگا جو وہ میری ہو کر بھی میری نہیں۔۔۔" اس نے کرب سے سوچا تھا۔

"اب تو بہانے بھی ختم ہونے لگے ہیں میرے پاس۔۔۔ جاب کا بہانہ بھی کب تک ساتھ دے گا آخر، میں کیا کروں ایسا، کیا کہوں ایسا جو تمہارے دل کو موم کر سکے۔ تم تو کبھی ایسی نہ تھی، اتنا سخت تو نہ تھا تمہارا دل تو اب کیوں میری جانب سے دل کو اتنا پتھر کر بیٹھی ہو کہ میرے جذبات تمہارے دل پر اثر ہی نہیں کرتے۔۔۔" اس نے جلتی آنکھوں کو بند کر لیا، اس کا خیال تھا کہ کہیں ایک پل بھی ساتھ نہ چھوڑتا تھا اور وہ شاید دیر تک یہی اذیت ناک باتیں سوچ سوچ کر گوھتا رہتا کہ موبائل پر ہونے والی میسج بیپ نے اس کا دھیان اپنی جانب مبذول کروالیا۔

بہاریں لوٹ آئیں گی
ہوائیں گنگنائیں گی
خوشی سے مست ہو ہو کر
گھٹائیں لڑکھڑائیں گی
حسیں چاندنی ہو گی
فلک پہ روشنی ہو گی
کچھ ایسی راتیں آئیں گی
کہ جھیلیں مسرائیں گی
نظر میں پھول مہکیں گے
اُداسی لوٹ جائے گی
رنگیلے پنچھی آئیں گے
کچھ ایسے گیت گائیں گے
ستم کا دور ہو گا ختم

چاہت کا پھر ہو گا جنم

نگاہوں میں خوشی ہو گی

نہ آنکھ اب یہ نم ہو گی

بے چینی نہ مجھ کو رُلائے گی

خزائیں لوٹ جائیں گی

سنو!

تم سے کہنا ہے جاناں

تم جو مان جاؤ تو

کہ۔۔۔

تم جو لوٹ آؤ تو۔۔۔

خوشیاں کھلکھلائیں گی

بہاریں لوٹ آئیں گی!!!

اتنا دلنشین، اتنا مکمل اظہار۔۔۔اس نے کئی بار نمبر چیک کیا، کہیں اسے نمبر دیکھنے میں تو غلطی نہیں ہوئی تھی۔۔۔کہیں وہ جاگتی آنکھوں سے خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ کہیں وہ خوش گماں تو نہیں ہو رہا تھا۔۔۔لیکن نہیں۔۔اس نے کئی بار چیک کیا تھا، بار بار دیکھا تھا۔ وہی نمبر تھا مگر اس نمبر سے ملنے والا پیغام بالکل غیر متوقع لیکن انتہائی خوبصورت، محبت کا بھرپور احساس سموئے۔۔۔وہ جو ابھی کچھ دیر پہلے تک متضاد سوچوں میں گھرا۔اندر کہیں ٹوٹ پھوٹ کے مراحل سے گزر رہا تھا، اب ایک دم ہی اس کا موڈ بحال ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا خوشگوار ہو گیا تھا کہ ان دو سالوں میں دل و دماغ کو جکڑی ساری کثافت لمحوں میں دور ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے اُٹھ کر وارڈ راب کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اب واپسی کا سفر اُتنا ہی خوشگوار ہونا تھا جتنا ان دو سالوں کا سفر دشوار تھا۔۔۔اس کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ جگمگائی تھی۔

☆......☆......☆

کام نپٹا کرامی اور چچی کی ڈانٹ پر وہ اب کمرے میں آ کر بے دلی سے تیار ہو رہی تھی۔ آج عاصم کا نکاح تھا، شادی کے بعد گھر میں ہونے والا پہلا فنکشن تھا مگر اس کا دل بجھا بجھا تھا، وہ ادیان کے ساتھ ہر خوشی منانا چاہتی تھی، اس کے رُوبرو اپنی محبت کا اعتراف کرنا چاہتی تھی، اُسے اپنی صفائی دینا چاہتی تھی، ہر جگہ، ہر تقریب، ہر خوشی میں وہ اُس کے ساتھ شریک ہونا چاہتی تھی۔ دو ہفتے پہلے اُس نے ادیان کو میسج کیا تھا مگر ادیان نہ خود آیا تھا نہ ہی کوئی میسج یا فون۔ وہ ضرور کسی اور کو پسند کر چکا ہوگا۔۔۔ ہاں یہی ہونا چاہیے میرے ساتھ۔۔۔ میں نے اس کے خلوص، اس کی محبت کو ٹھکرایا تھا اب بھلا کیوں وہ مجھے اپنائے گا، اس نے یقیناً اپنے لیے کوئی اپنی ہم عمر لڑکی ڈھونڈ لی ہوگی۔۔۔۔ وہ منفی سوچوں میں گھری ڈریسنگ ٹیبل کی سطح پر سر ٹکا کر بے آواز رونے لگی۔

وہ کہتی ہے مجھ سے
کہ تم جو مان جاؤ تو
خوشیاں کھلکھلائیں گی
مگر۔۔۔
تم جو لوٹ آؤ تو
یہ زندگی مسکرائے گی
پھر بہاریں لوٹ آئیں گی
تب۔۔
میں سُن کر اس کی سب باتیں
فقط اتنا ہی کہتا ہوں
خفا ہونا، منا لینا
یہ لڑنا جھگڑنا۔ سزا دینا
صدیوں سے روایت ہے
یہ محبت کی علامت ہے

گلے شکوے کرو مجھ سے
تمہیں جاناں اجازت ہے
مگر اِک بات میری یاد رکھنا تم
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
ہوائیں رُخ بدلتی ہیں
رُتیں بھی لوٹ جاتی ہیں
خفا ہونا بھی ممکن ہے
خطا ہونا بھی ممکن ہے
مگر۔۔۔
ہواؤں کے رُخ بدلنے سے
رُتوں کے لوٹ جانے سے
کہ اس رُوٹھنے منانے سے
آرزوئیں ٹوٹا نہیں کرتی
بہاریں رُوٹھا نہیں کرتی
ہمیشہ یاد رکھنا تم۔۔۔کہ
یوں ہم سفری چھوٹا نہیں کرتی!!!

کوئی اس کے کان کے پاس گنگنایا تھا اور اس آواز پر سر اُٹھا کر وہ ایک جھٹکے سے مُڑی تھی۔وہ سامنے تھا، مسکراتا ہوا، دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا تھا۔۔۔۔

مگر یہ کیا؟؟

اس کی آنکھوں میں آنسو کیوں تھے؟ وہ یوں کیوں رو رہی تھی؟ اس کی مسکراہٹ پل میں سمٹی تھی۔

"کیا ہوا ہے زائمہ۔۔۔۔رو کیوں رہیں ہو؟" اس نے اس کے آنسو اپنی پوروں پر چنے۔

”تم۔۔۔تم کب آئے اور۔۔اس دن۔۔۔میں نے میسج کیا۔۔تم نے کوئی جواب کیوں نہیں دیا؟“ وہ اس کے کالر کو جکڑے پوچھ رہی تھی۔ ”میں۔۔ میں سمجھی تم نہیں آؤ گے۔۔۔مجھ سے ناراض ہو گئے ہو۔۔۔ مجھے چھوڑ دو گے۔۔۔کبھی نہیں۔۔۔۔“ وہ جیسے اب بھی اسی خوف میں بولتی جا رہی تھی، ادیان نے اس کے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔

”دوبارہ ایسی بات مت کرنا۔ادیان سکندر سانس لینا چھوڑ سکتا ہے لیکن زائنہ ادیان کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔۔۔اس کی زندگی ہے اس کی یہ بیٹر ہاف۔۔۔“ وہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا تو اس نے بے حد حیرانگی سے اسے دیکھا۔اتنی محبت،اس کی اتنی بے اعتنائی کے باوجود بھی اتنی چاہت۔۔۔

”تو پھر تم نے میرے میسج کا کوئی جواب کیوں نہیں دیا؟“ وہ بولی تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

”اب تمہیں اتنا ستانا تو حق تھا نا میرا۔۔۔۔ مجھے دو سال تڑپایا تم نے اور خود دو ہفتے بھی برداشت نہ کر سکی۔۔۔“ وہ اسے چڑا رہا تھا، دونوں بازو اس کے گرد باندھ کر اسے خود سے بے حد قریب کر لیا، وہ پزل ہونے لگی۔

”تو تم بدلہ لے رہے تھے؟“ وہ اس کی بانہوں میں کسمسائی۔

”نہیں وہ تو تمہیں سرپرائز دینا تھا پر بدلہ تو اب لوں گا۔۔۔“ وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

”تم بدلہ لو گے مجھ سے۔۔۔؟؟“ وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

”ہاں بالکل۔۔۔دو سال تڑپایا ہے تم نے مجھے۔اب میری باری ہے۔۔۔“ اس نے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے لے لو بدلہ۔۔۔جس طرح میں نے اپنی نادانی میں تڑپایا تم بھی تڑپا لو۔۔۔جاؤ“ وہ اس کے حصار سے نکل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی، آواز رُندھ گئی تھی

”دور کدھر جا رہی ہو؟ پاس آؤ گی تو بدلہ لوں گا نا وہ بھی سود سمیت۔۔۔“ اس نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور ایک بار پھر اپنے حصار میں لے لیا

”چھوڑو مجھے۔۔۔نہیں بات کرنی مجھے تم سے۔“ وہ اس سے اپنا آپ چھڑوانے لگی۔

"ایک دم چپ۔۔۔اب نہیں سنوں گا تمہاری۔۔۔اب تمہیں بتاؤں گا کہ میں کتنا ضدی ہوں، اب بچ کر دکھانا مجھے۔۔۔دو سال خوامخواہ کی غلط فہمیوں کی نظر کر دیے۔۔۔ورنہ آج ہمارا راج کمار بھی اپنے ماموں کے نکاح میں شامل ہوتا۔۔۔"ایک بھرپور شرارت کرتے وہ آنکھ دبا کر بولا تو زائنہ کا چہرہ اس کی ایسی بات پر تپ سا گیا۔ادیان نے دلچسپی سے اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھا۔

"مجھے چچی بُلا رہی ہیں۔۔۔جانے دو" اس کی نظریں اسے بُری طرح بوکھلائے دے رہی تھیں۔

"کوئی نہیں بُلا رہا تمہیں اور اپنی سزا پائے بغیر تو میں یہاں سے جانے نہیں دوں گا اب تمہیں۔۔۔"

اس پہ تو آج شوخیاں سوار تھیں اور زائنہ کہیں جائے فرار نہ پا کر اس کے سینے میں ہی چہرہ چھپا گئی اور اس کی اس ادا پر ادیان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

تمہاری ذات سے آگے تو اب راستہ ہی نہیں

میرے سفر تو یہیں پر تمام ہوتے ہیں۔۔۔!!!

"آئی لو یو ادیان۔۔۔"

وہ دھیرے سے بولی تو ادیان نے سرشار ہوتے ہوئے محبت سے اسے خود میں سمیٹ لیا تھا، آج بچپن کی محبت منزل پا گئی تھی۔دل کی راہوں میں اب خوشیاں اِن کی منتظر تھیں۔